اللہ اکبر

حلقۂ مسموم

ایک علمی قصہ

ترجمہ "پائزن بلٹ" مصنفہ سر آرتھر کانن ڈائل

از

مولوی محمد نصیر احمد صاحب عثمانی ایم اے، بی ایس سی

معلّم طبیعات جامعہ عثمانیہ

حیدرآباد دکن

باہتمام سید محمد ہادی

مطبع جامعہ ملیہ علی گڑھ میں ۱۳۴۳ھ ۱۹۲۵ء طبع ہوا

اوّل ۵۰۰ جملہ حقوق محفوظ قیمت عہ

دیباچہ

سر آرتھر کانن ڈائل انگریزی کے ایک مشہور و معروف افسانہ نویس ہیں۔
ان کی شہرت کا یہ عالم ہے کہ یورپ کی شاید ہی کوئی زبان ایسی ہوگی جس میں
شرلاک ہومز کے متعلق انکی کتابوں کا ترجمہ نہ ہو گیا ہو۔ حتیٰ کہ مشرقی زبانیں بھی
اس خزانہ سے خالی نہیں رہی ہیں۔ چنانچہ مصنف موصوف کی کتابوں نے
عربی کا جامہ بھی پہن لیا ہے، اردو میں بھی اس سے پیشتر خونابۂ عشق، حکایاتِ شرلاک
ہومز وغیرہ کے ناموں کی کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ اور ان کے ہیرو شرلاک ہومز
کو روشناس کرا چکی ہیں۔

مصنف موصوف ابتداً ایک ڈاکٹر تھے لیکن طبیعت میں فطرت نے فسانہ نویسی
کی جو قابلیت ودیعت کی تھی اس نے مطب جاری نہ رہنے دیا۔ چنانچہ مطب چھوڑ کر
افسانہ نویسی اختیار کی تو اس میں وہ یدِ طولیٰ حاصل کیا کہ چار دانگ عالم میں شہرت
ہو گئی۔

سر آرتھر محض افسانہ نویس ہی نہیں ہیں بلکہ بہت پر نویس ہیں۔ علمی حقیقتوں
کو دلچسپ مضمون کے پیرایہ میں بیان کرنے کی بھی قدرت رکھتے ہیں۔ چنانچہ قصہ
ہذا اسکی شہادت ہے۔

علاوہ ازیں مصنف اولاً مادہ پرست تھے لیکن اب روح پرست ہیں۔ اور ایسے

روح پرست کہ عاملوں کے سرگروہ شمار کئے جاتے ہیں ۔ چنانچہ جب مادہ پرستی سے توبہ کر کے روح پرستی اختیار کی تو "رفع حجاب" کے نام سے ایک کتاب لکھی اور بعد میں "پیام اجل" نامی ایک کتاب روحانیات کے مسائل پر تصنیف کی ۔ انشاءاللہ بشرط فرصت یہ کتابیں ہدیہ ناظرین ہونگی ۔

اس کتاب میں چار شخصوں یعنی پروفیسر جے لینجر، پروفیسر سمرلی، لارڈ جان راکس ٹن اور ایڈورڈ میلون کے تجربات قلمبند کئے گئے ہیں ۔ اول الذکر تو مصنف کیطرح روح پرست ہیں ۔ گویا ان کی زبان مصنف کی زبان ہے ۔ دوسرے پروفیسر مادہ پرست ہیں اور سخت مادہ پرست، چنانچہ ایک موقعہ پر دونوں اپنا اپنا خیال ظاہر کر کے زور استدلال دکھاتے ہیں ۔ تیسرے صاحب ایک نواب ہیں ۔ اور چوتھے حضرت ایک صحافی ہیں ۔ قصہ ان ہی صحافی حضرت کی زبان میں بیان کیا گیا ہے ۔ ان ہی چاروں پر کچھ واردات اور بھی گزریں جن کو مصنف نے "عالم گم گشتہ" کے نام سے ایک دوسری کتاب میں لکھا ہے ۔ چنانچہ قصہ کے شروع میں اسی طرف اشارہ ہے ۔ اگر حلقۂ مسموم کی سمیت کافی متعدی ثابت ہوئی، تو انشاءاللہ "عالم گم گشتہ" بھی گم گشتہ نہ رہیگا ۔

اس موقعہ پر مجھے مصنف موصوف کا شکریہ ادا کرنا چاہئے کہ انہوں نے بہ کمال عنایت مجھے ان کتابوں کے ترجمے شائع کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی ۔ فقط

کلیہ جامعہ عثمانیہ
حیدرآباد دکن

محمد نصیر احمد عثمانی
معلم طبیعیات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حلقۂ مسموم

پہلا باب

اندراس خطوط

اب، جبکہ میرے دماغ میں وہ عظیم الشان واقعات ابھی تازہ ہیں، میرے لئے یہ ضروری ہے کہ میں انکو من وعن سپردِ قلم کردوں ورنہ اندیشہ ہے کہ زمانہ ان کو کہیں محو نہ کردے۔ لیکن جیسے جیسے میں لکھتا جاتا ہوں مجھے یہ امر بار بار حیرت میں ڈالتا رہتا ہے کہ یہ تحیر خیز تجربہ ہم چاروں، یعنی پروفیسر چیلنجر، پروفیسر سمرلی، لارڈ جان راکس ٹن اور راقم الحروف ہی کی چھوٹی سی جماعت پر کیوں گزرا۔

چند سال پیشتر جب میں نے ڈیلی گزٹ میں اپنے جنوبی امریکہ والے تاریخ ساز سفر کا حال درج کیا تھا تو میرے وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ میری قسمت میں اس سے کہیں زیادہ عجیب تر ذاتی تجربے کا حال مقدر ہے۔ یہ تجربہ تو ایسا ہے کہ تاریخ انسانی میں اپنی آپ مثال ہے، یہانتک کہ دیگر تاریخی واقعات پر اس کو وہی فوقیت

حاصل ہے جو کسی قلعہ کوہ کو آس پاس کی پہاڑیوں پر ہوتی ہے۔ نفس واقعہ ہی بہت تعجب انگیز ہے اس پر طرہ یہ کہ اس انوکھے واقعہ کے وقت ہم چار۔ دن کچھ اس طرح یکجا ہوئے کہ شاید یوں ہی مقدر تھا۔ اب میں ان امور کو مختصراً نہایت صاف طور سے بیان کرونگا جنکی انتہا اس واقعہ پر ہوئی۔ اگرچہ مجھے احساس ہے کہ اس کے متعلق جتنی تفصیلات بھی پیش کیجائینگی وہ ناظرین کیلئے لطف کا باعث ضرور ہونگی کیونکہ پہاڑ کی دلچسپی نہ کم ہوئی ہے اور نہ ہو گی

آغاز داستاں یوں ہے کہ جمعہ کا دن تھا اور اگست کی ستائیسویں تاریخ تھی (تاریخ عالم میں یہ تاریخ ہمیشہ یادگار رہیگی) کہ تین دن کی رخصت حاصل کرنے کیلئے میں اپنے جریدہ کے دفتر میں گیا جسمیں اخباری صیغہ کے صدر ابھی تک مسٹر میک آرڈل تھے۔ میری درخواست کو سنکر اس نیک مرد نے سر ہلایا اپنے ... کی طرح گرتے بالوں کی جھالر کو کھجلایا اور بالآخر اپنی ناراضگی کو الفاظ میں یوں ادا کیا:

"مسٹر میلون میں تو یہ سوچ رہا تھا کہ آج کل ہمیں آپ کی بہت ضرورت ہے میرے خیال میں ایک قصہ ایسا ہے کہ آپ ہی اس کا حق ادا کر سکتے ہیں"

"مجھے افسوس ہے" میں نے اپنی مایوسی کو چھپاتے ہوئے کہا "بیشک اگر میری ضرورت شدید ہے تو قصہ ختم ہے ورنہ میرا معاہدہ اہم اور نازک ہے۔ اگر میں سبکدوش کیا جا سکوں ——"

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کیسے سبکدوش کروں"

مجھے بہت برا معلوم ہوا لیکن کیا کرتا۔ قہر درویش بجان درویش۔ بہرحال قصور میرا ہی تھا۔ مجھ کو اب تک یہ معلوم ہو جانا چاہیئے تھا کہ کسی صحافی کو اپنے منصوبے

الگ باندھنے کا کوئی حق نہیں۔ بالآخر جتنا بھی مجھ سے اسوقت بن پڑا میں نے فرحت آمیز لہجہ میں کہا:۔

"آپ مجھ سے کیا کام لینا چاہتے ہیں؟"

"یہی کہ راتھر فیلڈ میں جا کے ذرا آن ذات شریف سے ملاقات کیجئے۔"

"آپ کا مطلب پروفیسر جے لینجر سے تو نہیں ہے؟"

"ہاں! میری مراد ان ہی سے ہے۔ گزشتہ ہفتہ انہوں نے بڑی سڑک پر ایک میل دوڑ جا کر اخبار 'کوریئر' کے نوجوان 'الک سپین' کو کالر پکڑ کے خوب گھسیٹا تھا۔ یہ خبر پولیس کی رپورٹ میں تو غالباً آپ نے پڑھی ہوگی ہمارے یہاں کے آدمی تو ان سے ملنے سے یہ بہتر سمجھتے ہیں کہ شیرانجانے کے کسی درندے سے ان کی مٹھ بھیڑ ہو جائے۔ لیکن میرا خیال ہے کہ آپ جیسا پرانا دوست ضرور ایسا کر سکتا ہے۔"

اب میرے اوپر سے گویا ایک بوجھ اتر گیا۔ چنانچہ میں نے کہا:۔

"ارے۔ پھر تو کوئی بات ہی نہیں رہی۔ حسن اتفاق سے راتھر فیلڈ کے پروفیسر جے لینجر سے ملنے ہی کیلئے مجھے رخصت کی ضرورت تھی۔ واقعہ یہ ہے کہ تین برس ہوئے ہم نے جو مہم سر کی تھی اسکا جشن ہونیوالا ہے۔ اور انہوں نے اپنے مکان پر ہماری پوری جماعت کو مدعو کیا ہے۔ تاکہ ملاقات بھی ہو سکے اور جشن بھی منا سکیں۔"

"بہت خوب"! میک آرڈل نے چلا کر ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔ عینک سے ان کی آنکھوں کی بشاشت ٹپکی پڑتی تھی "تو آپ ضرور ان سے انکی

رائے دریافت کرسکینگے۔ کوئی اور شخص ہوتا تو میں سمجھتا کہ محض لغویت ہی لیکن یہ شخص ایک مرتبہ کھرا ثابت ہو چکا ہے اب کسے خبر ہے کہ دوبارہ کھرے ثابت نہوں گے۔"

"اُن سے دریافت کیا کرنا ہے؟ وہ کرتے کیا رہے ہیں؟"

"ایں! کیا آپ نے آج کے ٹائمز میں انکا خط بعنوان "ممکنات علمیہ" نہیں دیکھا۔"

"نہیں"

میک آرڈل جھکے اور فرش پر سے ایک پرچہ ڈھونڈھ کے نکالا۔ ایک کالم پر انگلی سے اشارہ کرکے کہنے لگے۔" اسے زور سے پڑھیئے۔ میں دوبارہ سننا چاہتا ہوں۔ کیونکہ مجھے ابتک یقین نہیں کہ میں ان کا مطلب سمجھ سکا یا نہیں"

یہ وہ خط ہے جو میں نے گزٹ کے ایڈیٹر کو پڑھکر سنایا:۔

"ممکناتِ علمیہ"

"جناب عالی ۔۔۔۔ ثوابت وسیار کے طیفوں[1] کے فرانہوفری[2] خطوط کے اندراس سے متعلق جیمس ولسن میک فیل صاحب کا جو ادعا آمیز او

---

[1] سورج کی روشنی جب شیشے کے منشور میں سے گزاری جاتی ہے تو وہ مختلف رنگوں میں منقسم ہوکر قوس و قزح کے رنگین فیتوں کی ایک پٹی کی شکل میں نمودار ہوتی ہے اسی نگین فیتے والی پٹی کو سورج کا طیف کہتے ہیں۔ [2] سورج کے طیف کو اگر غور سے دیکھیں تو سارے طیف میں سیاہ سیاہ خطوط پھیلے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ان کو فران ہوفر نامی ایک سائنسدان نے دریافت کیا تھا۔ اسی وجہ سے اسکی طرف منسوب ہیں۔

اور بالکل بے بنیاد خط حال ہی میں آپ کے کالموں میں چھپا ہے وہ میرے لئے صرف تفریح طبع کا باعث ہوا، انہوں نے تو اس مبحث کو بے حقیقت قرار دیا ہے، ایک برتر عقل کو اس میں ایک زبردست امکان نظر آتا ہے اسقدر زبردست کہ اس سیارہ پر رہنے والے ہر مرد و زن و بچہ کی عافیت اس سے وابستہ ہے، جو لوگ کسی روزانہ اخبار کے کالموں سے اپنے خیالات اور تصورات قایم کرتے ہیں، ان کیلئے اگر میں علمی زبان استعمال کروں تو وہ میری مطلب کو ہرگز نہ سمجھ سکینگے۔ اسلئے میں کوشش کرونگا کہ ان ہی کی سطح پر اتر آؤں اور واقعہ کی حقیقت سے آگاہ کرنے کیلئے آپ کی ناظرین کی عقلوں کا لحاظ کرتے ہوئے ایک مانوس تمثیل پیش کر دوں"۔

"ارے میاں وہ تو عجائب روزگار سے ہے" میک آرڈل نے سر ہلا کر کہا "کبھی تو وہ تھری بچہ کے پروں کو اکھاڑ کر پھینک دیتے ہیں اور کبھی عطائیوں کے جلسہ میں وہ ہنگامہ برپا کر دیتے ہیں۔ ذرا بھی تعجب نہیں کہ لندن ان کیلئے بہت گرم ہو گیا ہے۔ واقعی مسٹر مے لون یہ بہت قابلِ افسوس ہے۔ کیونکہ وہ بڑا روشن دماغ ہے خیر اس تمثیل کو تو سناؤ۔

چنانچہ میں نے پڑھنا شروع کیا:۔

ہم یہ فرض کرتے ہیں کہ بحر اطلانتک میں ایک سست رو پر ایک دوسری سے ملے ہوئے کاگون کا ایک چھوٹا سا بنڈل سفر کرنے کیلئے چھوڑ دیا گیا ہے یہ کاگ دن بدن آہستہ آہستہ ہٹتے جائینگے اور انکا ماحول وہی رہیگا۔ اگر کاگ صاحبِ ادراک ہوتے تو ہم یہ تصور کرتے کہ وہ کاگ اس ماحول

کو یقینی سمجھتے ہیں لیکن چونکہ ہمارا علم بالاتر ہے اسلئے ہم سمجھتے ہیں کہ بہت سے امور ایسے واقع ہو سکتے ہیں جو کاگوں کو متحیر کر دینگے، ممکن ہے کہ بہتے بہتے کسی جہاز سے ٹکرا جائیں یا کسی سوتی ہوئی فیل ماہی پر جا پڑیں یا سوار میں پھنس جائیں۔ بہرصورت ان کے اس سفر کا انجام غالباً یہی ہوگا۔ کہ لبراڈر کی چٹانی ساحل پر جا پڑینگے لیکن اس انجام کا علم انہیں کیسے ہو سکتا ہے کیونکہ وہ تو دن بدن ایسے سمندر میں بہتے چلے جاتے ہیں جسکو وہ بے پایاں اور متجانس سمجھتے ہیں،

آپ کے ناظرین غالباً سمجھ گئے ہوں گے کہ اس قصے میں اطلانتک سے مراد عظیم الشان محیط ایثر ہے جس میں ہم حرکت کر رہے ہیں اور کاگوں کے اس گچھے سے وہ چھوٹا اور گوشے میں پڑا سیاری نظام مراد ہے جس میں ہم بستے ہیں یعنی ایک تیسرے درجے کا سورج ہے کہ اس کے توابع بھی بہت بے حقیقت ہیں۔ ہماری کیفیت یہ ہے کہ ہم ایک نامعلوم انجام کیطرف ایک ہی طرح کے روزانہ حالات میں بہے چلے جاتے ہیں۔ یہ انجام ممکن ہے کہ کوئی بہت ہی بلیشت طوفان کی صورت میں ہو جو مکان کی سرحد پر ہم کو گھیرے جسکی وجہ سے ہم کسی ایثری نیاگرا[۱] پر جا پڑیں۔ یا کسی ناقابل خیال لبراڈر سے ٹکرا جائیں۔ مجھے آپ کے نامہ نگار مسٹر جیمیس ولسن میک فیل کی سطحی اور جاہلانہ شادمانی کیلئے ذرا بھی گنجائش نظر نہیں آتی۔ بلکہ اس کے

۱؎ نیاگرا امریکہ میں ایک نہایت زبردست آبشار ہے ۱۲

خلاف بہت سے دلائل ایسے ہیں جو ہم کو مجبور کرتے ہیں کہ ہم نہایت غور اور توجہ کیساتھ ہر اس تغیر کے اظہار کو دیکھیں جو کائنات میں ہم کو چاروں طرف نظر آئیں کیونکہ بالآخر ہماری قسمت اسی پر منحصر ہے۔"

اسپر مسٹر آرڈل نے کہا "ارے میاں یہ تو وزیر خوب نبٹو۔ دیکھئے تو سہی کیا اندازہ پایا ہے، اچھا اب دیکھیں کہ انہیں پریشان کون سی چیز کر رہی ہے"

میرے نزدیک طیف کے فراں ہو فری خطوط کا اندراس یعنی انکا محو ہونا اور اپنے مقام سے ہٹنا اس بات کی دلیل ہے۔ کہ کائنات میں کوئی نرالی اور گہری تبدیلی ہونے والی ہے۔ کسی ستیارے جو روشنی آتی ہے، وہ سورج کی منعکس روشنی ہوتی ہے، کسی ثابت سے جو روشنی آتی ہے وہ اسکی ذاتی ہوتی ہے لیکن صورت موجودہ میں ثوابت وستیار ہر دو کے طیفوں میں ایک ہی تبدیلی ہوئی ہے، تو کیا اس کے معنی یہ ہیں، کہ ان ثوابت وستیار میں کوئی تبدیلی ہوئی ہے؟ میرے نزدیک یہ خیال باطل محض ہے، وہ ایسی کونسی تبدیلی ہے جو ان سب پر حاوی ہوگئی ہے؟ تو کیا پھر ہمارے کرہ ہوا میں کوئی تبدیلی ہوئی ہے؟ یہ ممکن ہے لیکن اغلب ہے کہ ایسا نہیں ہے کیونکہ ہم اپنے گرد کسی قسم کی کوئی علامات نہیں دیکھتے اور نہ کیمیاوی تحلیل سے کچھ پتہ چلتا۔ تو پھر اب تیسرا امکان کیا ہے؟ یہی کہ موصل واسطے میں کوئی تبدیلی ہو یعنی اس لیے انتہا لطیف اثیر میں جو ایک ستارے سے دوسرے ستارے تک پھیلا ہوا ہے اور تمام کائنات میں جاری وساری ہے۔ ہم اسی کے سمندر میں ایک سست رو پر بہے چلے جاتے ہیں، کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ رو شنم کو اثیر کے ایسے طبقوں

میں لیجا ڈالے جو بالکل انوکھے ہوں اور جن کے خواص سے ہم ابھی تک واقف نہ ہوئے ہوں؟ کہیں نہ کہیں تو کچھ تبدیلی ضرور ہے، طیف کا سطح بدل جانا اسکی دلیل ہے، ممکن ہے کہ یہ تبدیلی منجر خیر ہو، ممکن ہے کہ شر ہی شر ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ نہ خیر ہو اور نہ شر۔ ہم کچھ نہیں جانتے۔ سطحی مشاہدین شاید اسی امر کو ناقابل لحاظ گردانیں، لیکن جو میری طرح بصیرت رکھتے ہیں وہ سمجھ سکتے ہیں کہ کائنات میں امکانات کی کوئی حد نہیں اسلئے سب سے زیادہ عقلمند وہی ہے جو ہر غیر متوقع امر کیلئے تیار رہے، ایک بدیہی مثال لیجئے، آج ہی آپ کے کالموں میں ایک خبر چھپی ہے کہ سماٹرا کی دیسی قوموں میں ایک عجیب پراسرار اور ہمہ گیر وبا پھیلی ہے۔ اب کون کہہ سکتا ہے کہ اس وبا کو کسی کائناتی تبدیلی سے کوئی علاقہ نہیں، جسکا شکار وہاں کے باشندے اہالیان یورپ سے جلد تر ہو گئے میں تو یہ کہتا ہوں کہ اس خیال کا پورا پورا حق ادا کیجئے، موجودہ صورت میں اسکا دعویٰ کرنا ویسا ہی بیہودہ ہے جیسا اس سے انکار، لیکن وہ شخص واقعی بہت احمق اور کودن ہوگا۔ جو یہ نہ سمجھ سکے کہ امکانات علمیہ کی حدود سے یہ امر خارج نہیں ہے، فقط"

"آپ کا صادق
"جارج ایڈورڈ چے لینجر"
"از کنج عزلت" راتھرفیلڈ"

ختم ہونے پر میک آرڈل نے اپنے شیشے کے سگریٹ کیس میں ایک سگریٹ لگایا۔

اور ذرا سوچتی صورت بنا کے کہنے لگی: "یہ تو ایک عمدہ خوش آفریں خط ہے! مسٹر تے لون آپ کی کیا رائے ہے؟" مجھے مضمون زیر بحث سے اپنی کامل اور شرمندہ کن ناواقفیت کا اعتراف کرنا پڑا، چنانچہ میں نہیں جانتا تھا کہ فراں ہوفری خطوط کیا چیز ہیں۔ میک آرڈل اپنے دفتر کے ایک سائنسدان کی مدد سے مضمون کا مطالعہ کر رہے تھے، چنانچہ اپنی میز سے انہوں نے کئی رنگ والی طیفی پٹیاں اٹھائیں۔ جو کسی نو قایم اور پر جوش کرکٹ کلب کی ٹوپیوں کے فیتوں سے مشابہ معلوم ہوتی تھیں۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ چند سیاہ خطوط ایسے ہیں جو ان چمکدار رنگوں پر یہاں سے وہاں تک پھیلے ہوئے ہیں، یعنی ایک طرف سرخ سے شروع ہو کر نارنجی، زرد، سبز کبودی اور نیلگوں پر ہوتے ہوئے دوسری طرف بنفشئی تک چلے گئے ہیں۔ کہنے لگے "ان ہی تاریک لکیروں کو فراں ہوفری خطوط کہتے ہیں، رنگ کیا ہیں خود روشنی ہی ہے! ہر روشنی کو اگر تم منشور سے علیحدہ کر سکو، تو ایسے ہی رنگ دیگی، ان رنگوں میں ہمیں کچھ نہیں معلوم ہوتا، در اصل قابلِ توجہ تو یہ خطوط ہیں، کیونکہ نور پیدا کرنیوالے جسم کے تغیر کے ساتھ ساتھ یہ بھی بدل جاتے ہیں، اس پچھلے ہفتہ میں روشن تر ہونے کی بجائے یہی خطوط دھندلے پڑ گئے ہیں، اور ان کی علت کی دریافت پر تمام علما فلکیات میں تنازعہ برپا ہے، ہماری کل کے پرچہ کیلئے ان سندرس خطوط کا ایک عکس ہے، پبلک نے ابھی تک اس معاملہ میں کسی دلچسپی کا اظہار نہیں کیا ہے لیکن میں سمجھتا ہوں کہ ٹائمز میں چھپے لنجر کا یہ خط سب کو بیدار کر دیگا۔"

"اور یہ سماترا سے متعلق کیا ہے؟"

"اونہہ ۔ طیف کے ایک سندرس خط سے سماترا کے ایک بیمار زندگی پر استدلال کرنا زیادتی ہوگی لیکن وہ حضرت ہم پر یہ پہلے بھی ثابت کر چکے ہیں کہ اپنے موضوع کلام سے ان کو پوری واقفیت ہوتی ہے، اس میں تو شک نہیں کہ وہاں کوئی انوکھی بیماری پیدا ہوئی ہے اور لیجئے آج ہی سنگاپور سے ایک بحری تار آیا ہے کہ آبنائے سنڈا میں روشنی گھر بیکار ہو گئے ہیں جسکی وجہ سے دو جہاز خشکی پر چڑھ گئے ۔ بہرحال چیلنجر سے ملاقات کرنا بہتر ہی ہے، اگر آپ کو کوئی قطعی بات معلوم ہو تو دوشنبہ تک ایک کالم تیار کر دیجئے"،

میں ایڈیٹر کے کمرے سے نکل ہی رہا تھا، اور اس نئی مہم پر غور کر رہا تھا کہ لاتنے میں نیچے انتظار خانے میں کسی نے میرا نام لیکر پکارا دیکھا تو ایک تار بچہ تھا جس کے ہاتھ میں ایک تار تھا، جو میری مسکن اسٹری تھم سے یہاں بھیجا گیا تھا، پیام اسی شخص کے پاس سے تھا جسکا ذکر ھم کر رہے تھے، اور یہ مضمون تھا:۔

"مے لون، ۱۷، ہل اسٹریٹ، اسٹری تھم، آکسیجن لاؤ ———— چیلنجر"

"آکسیجن لاؤ"، ہاں مجھے یاد آیا، کہ پروفیسر موصوف میں کچھ ایسی بلا کی ظرافت تھی کہ بھونڈے سے بھونڈا مذاق بھی ان سے بعید نہ تھا کیا یہ انہی مذاقوں میں سے ایک مذاق تو نہیں ہے کہ جب وہ نہایت زور سے قہقہہ مار کر ہنسنے لگتے تھے ۔ آنکھیں ان کی چڑھ جاتی تھیں، منہ غار ایسا کھل جاتا تھا اور ڈاڑھی پھر اہتزاز کرنے لگتی تھی ۔ غرضکہ ایک عجیب ہیولا بنجاتے تھے اور ذرا بھی اپنے وقار و متانت کا لحاظ نہ کرتے تھے میں نے ہر طرح ان الفاظ پر غور کیا لیکن کوئی بات بھی ظرافت آمیز نہ پائی تو پھر بیشک انکا یہ قطعی حکم تھا اگرچہ نہایت ہی عجیب تھا ۔ لیکن دنیا میں وہی

ایسے شخص تھے کہ ان کے حکم محکم سے عدول کرنے کی میں جرأت نہیں کر سکتا تھا ممکن ہے کوئی کیمیاوی تجربہ کر رہے ہوں ممکن ہے ــــ بہر حال میرا یہ کام نہ تھا کہ میں ان کی علتیں دریافت کرتا پھروں، مجھ کو ضرور تعمیل کرنا چاہیے، وکٹوریہ اسٹیشن پر ریل کے وقت میں ابھی تقریباً ایک گھنٹہ باقی تھا۔ میں نے ایک گاڑی لی اور ٹیلیفون نامہ سے پتہ دیکھکے میں آکسفورڈ اسٹریٹ میں آکسیجن فروش کمپنی کی دکان کی طرف چلا،

جب میں دکان پر پہنچکر اترا تو اندر سے دو نوجوان لوہے کے استوانے لیے نکلے جنکو کسی قدر دقت کیساتھ انہوں نے ایک موٹر میں رکھا۔ ایک مسن آدمی انکے پیچھے پیچھے چیختا ہدایت کرتا چلا آرہا تھا۔ جب وہ میری طرف گھوما تو میں نے وہ سنجیدہ چہرہ اور وہ گوسفندی داڑھی دیکھی، مجھے اب ذرا بھی شبہ نہ رہا، کہ یہ میرے قدیم تنک مزاج عنایت فرما پروفیسر سمرلی تھے۔ مجھے دیکھکر چلائے :-

"ایں۔ کیا آپ کو بھی آکسیجن کیلئے وہ ہمیعنی تار ملا ہے"

میں نے وہ تار دکھلا دیا،

"ہاں۔ ہاں مجھے بھی ملا، اور آپ دیکھئے کہ اپنی عادت کے خلاف آج میں نے اسکی تعمیل بھی کی ہے، ہمارے کرمفرما حسب دستور عالم محالات میں ہیں، آکسیجن کی ضرورت کسی کام کیلئے بھی اتنی شدید نہو سکتی تھی کہ انہوں نے اس کے حصول کیلئے معمولی طریقہ اختیار نہ کیا بلکہ ان لوگوں کا وقت ضائع کیا جو فی الحقیقت ان سے زیادہ مشغول بہ کار ہیں۔ انہوں نے خود براہِ راست ہی

کیوں نہ منگالیا ؟"

میں صرف یہی جواب دے سکا، کہ شاید انکو فوری ضرورت لاحق ہوئی، "یا انہوں نے سمجھا ہو گا کہ فوری ضرورت ہے، تو یہ دوسری بات ہے۔ لیکن اب آپ کیلئے مزید آکسیجن خریدنا فضول ہے ۔ دیکھئے میں نے اسقدر خرید لی ہے" تاہم انکا منشا یہ معلوم ہوتا ہے کہ میں بھی اپنے ہمراہ آکسیجن لاؤں، بہتر یہی ہے کہ جیسا وہ کہتے ہیں میں بھی لیتا جاؤں۔"

چنانچہ باوجود سمرلی کے منع کرنے کے میں نے ایک اور پیپہ خریدا اور انکی موٹر میں رکھدیا کیونکہ انہوں نے مجھے وکٹوریہ تک پہنچانے کی نیت ظاہر کی تھی۔ میں اپنی موٹر کا کرایہ دینے کیلئے پھرا، موٹربان بہت بدزبان اور جھگڑالو نکلا، جب میں پروفیسر سمرلی کے پاس واپس آیا تو دیکھا کہ وہ ان لوگوں سے جھگڑ رہے تھے، جو ان کی آکسیجن کی نلکیاں اٹھا کر لائے تھے، غصہ سے ان کی سفید گوسفندی ڈاڑھی ہل رہی تھی، مجھے یاد ہے کہ ایک شخص نے انکے متعلق یوں کہا تھا: "ایک نادان بڈھا کا کتوا!" جسپر ان کے موٹربان کو اتنا غصہ آیا کہ اپنے مالک کی طرفداری کیلئے اپنی جگہ سے آکودا اور بڑی مشکل سے ہم چلتے رستے میں مناقشہ کو بڑھنے سے روک سکے۔

یہ چھوٹی چھوٹی باتیں بیان کرنے کیلئے حقیر سی معلوم ہوتی ہیں چنانچہ اس وقت ہم نے بھی اتفاقات سمجھکر ٹالدیا، لیکن اب جب میں ماضی کیطرف نظر ڈالتا ہوں تو جو قصہ بیان کرنیوالا ہوں، اس سے ان واقعات کا تعلق صاف نظر آنے لگتا ہے۔

موٹر بان یا تو بالکل مبتدی تھا - یا یوں کہئے کہ اس سناٹے میں اس کے
حواس باختہ ہو گئے تھے نتیجہ یہ تھا کہ اسٹیشن تک نہایت خطرناک طریقہ پر چلاتا
رہا، دو مرتبہ ایسی ہی دوسری بے محابا موٹروں سے ٹکر کھاتے کھاتے بچ
گئے - چنانچہ مجھے یاد ہے کہ سمرلی نے یہ کہا تھا، کہ لندن میں موٹر رانی کا معیار
بہت پست ہو گیا ہے، ایک مرتبہ تو ہم ایک مجمع کو چھوتے ہوئے گئے جو بڑی سڑک
کے کنارے ایک لڑائی کو دیکھ رہا تھا، اس بھدے پن سے موٹر چلانے پر لوگوں
نے، جو جوش سے بھرے ہوئے تھے، بہت کچھ شور مچایا، اور ایک آدمی تو ہماری
پائدان پر آ کودا اور سروں پر پیر رکھ کر ایک چھڑی ہلانے لگا - میں نے اسکو
دھکا دیدیا، لیکن جب ہم بارک اور ان لوگوں کو صحیح و سلامت نکل آئے تو ہمیں
بڑا اطمینان ہوا، یہ پے درپے جو چھوٹی چھوٹی باتیں ظہور پذیر ہوئیں تو ان سے
مجھ میں باخنگی سی پیدا ہو گئی تھی اور میں نے اپنے ہمراہی کو دیکھا تو معلوم ہوا، کہ
ان کا پیمانۂ صبر بھی لبریز ہونیوالا تھا

لیکن پلیٹ فارم پر جب ہم نے لارڈ جان راکس ٹن کو اپنے انتظار میں پایا
تو ذرا ہماری حواس درست ہوئے، لارڈ موصوف کے دراز اور نحیف بدن پر
اسوقت ایک زرد شکاری لباس تھا ہمیں دیکھ کر ان کے چہرے پر مسرت
نمودار ہوئی، اگرچہ اس میں دو آنکھیں ایسی تھیں جو خوفناک بھی تھیں اور
ظرافت آمیز بھی، ان کے سرخی مائل بال اب کہیں کہیں سفید ہو چلے تھے -
اور ان کے ابروؤں پر جو بل تھے وہ زمانہ کی دستبرد سے ذرا گہرے ہو گئے
تھے، لیکن ان باتوں سے قطع نظر کر کے وہ وہی لارڈ جان تھے جو اس سے قبل

ہمارے ہمسفر اور ساتھی رہ چکے تھے جیسے ہی ہماری طرف بڑھے تو چلا کر بولے "اخاہ! پروفیسر صاحب اخاہ! میاں صاحبزادے؟" جب انہوں نے قلی کے ٹھیلے پر آکسیجن کے استوانے دیکھے، تو خوب ہی قہقہے لگائے۔ کہنے لگے "اچھا تو آپ بھی لائے ہیں! میں نے تو اپنا ریل میں رکھوا دیا، میں کہتا ہوں، کہ وہ حضرت ہیں کس فکر میں؟"

"آپ نے ٹائمز میں انکا خط دیکھا؟" میں نے پوچھا

"کیسا خط؟"

"لغو و مہمل" ہمرلی نے ذرا سختی سے کہا۔

"کچھ بھی ہو، اس آکسیجن کی تہ میں وہ ضرور ہے" میں نے کہا

"لغو و مہمل" ہمرلی نے دوبارہ خواہ مخواہ زور دیکر کہا۔ ہم اتنے میں ایک اول درجہ کے ڈبے میں بیٹھ چکے تھے، پروفیسر موصوف نے اپنا چھوٹا اور دھندلا چبوک سلگایا، جو ان کی لمبی اور نمایاں ناک کو چھوتا معلوم ہوتا تھا اب ذرا زور دے کر کہنے لگے۔

ہمارے مہربان چیلنجر ہیں تو ہوشیار آدمی، اس سے کسی کو انکار نہیں۔ وہ احمق ہی ہوگا جسکو انکار ہوگا۔ ذرا ان کی ٹوپی ہی دیکھئے، اسکے اندر ۶۰ اونس کا دماغ ہے گویا ایک بڑا انجن ہے جو بے تکلف چلتا ہے اور نہایت صفائی سے کام کرتا ہے، آپ مجھے انجن خانہ دکھلایئے، میں انجن کی جسامت آپ کو بتا دونگا لیکن وہ پیدائشی نمائش پرست بھی ہیں۔ آپ نے تو ان کے منہ پر مجھے کہتے سنا ہوگا۔ ہاں پھر کہتا ہوں۔ کہ وہ نمائش پرست ہیں، کبھی کبھی بہت پیش

پیش ہو جاتے ہیں۔ آجکل میدان میں ذرا خاموشی ہے۔ اسلئے حضرت چرچل چاہتے ہیں، کہ لوگ ان کا ذکر خیر کرنے لگیں، کیا آپ سمجھتے ہیں کہ ان لغویات کا ان کو خود بھی یقین ہو کہ اثیر میں کوئی تبدیلی واقعی ہوئی ہو اور اس سے بنی نوعِ انسان کو خطرہ کا اندیشہ ہے؟ آپ نے کبھی ایسی بے سروپا اور دور از کار باتیں سنی تھیں؟

ان کا اسوقت بیٹھا ہونا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ایک بڈھا سفید کوا بیٹھا کائیں کائیں کر رہا ہو،

جب میں نے سمرلی کی یہ باتیں سنیں تو غصہ کی ایک لہر بدن میں دوڑ گئی یہ کسقدر شرمناک تھا، کہ جو شخص ہماری شہرت کا باعث ہوا ہو اور جس نے ہمکو ایسے خوشگوار تجربات سے روشناس کرایا ہو، جو کسی کے حصے میں نہ آئے ہوں اسی کا تذکرہ ایسے الفاظ میں کیا جائے، میں نے کوئی سخت جواب دینے کیلئے لب ہلائے ہی تھے، کہ لارڈ جان مجھسے پہلے بول اٹھے۔ اور ذرا سخت لہجہ میں کہنے لگے،

"اس سے پہلے بھی بڈھے چیلنجر سے آپ کی جھڑپ ہو چکی ہو اور آپ دس ثانیوں کے اندر اندر ہار مان گئے تھے۔ جناب پروفیسر سمرلی صاحب! مجھے تو یہ معلوم ہوتا ہو کہ وہ آپ جیسوں کے قابو کے نہیں ہیں۔ بس آپکے کیلئے بہترین صورت یہی ہو کہ آپ خود الگ چلیں اور ان سے تعرض نہ کریں۔"

"علاوہ ازیں"۔ میں نے کہا "ہم سے ہر ایک کے وہ اچھے دوست ثابت ہوئے ہیں، انمیں چاہے کتنے ہی عیوب ہوں۔ لیکن وہ بہت صاف دل

ہیں اور مجھے یقین نہیں کہ پیٹھ پیچھے وہ دوستوں کی برائی کرتے ہوں"۔
خوب کہا، شاباش" لارڈ جان راکس ٹن نے کہا۔ اس کے بعد تبسم کے ساتھ انہوں نے پروفیسر سمرلی کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور کہنے لگے "اچھا، جانے دیجئے، پروفیسر صاحب ہم اسوقت کوئی جھگڑا کرنا نہیں چاہتے ہم سب تو بہت ساتھ ساتھ رہے ہیں لیکن جب کہیں پے لیجر موجود ہوں۔ تو ذرا سنبھل کے رہیئے گا۔ آپ کو معلوم رہے کہ ان بزرگوار سے ان صاحبزادے کو اور مجھکو ایک گونہ عقیدت ہے"۔
لیکن سمرلی اسوقت صلح کیلئے تیار ہی نہ تھے۔ چہرے سے آثار ناپسندیدگی ظاہر ہونے لگے۔ اور غصہ کے مارے اپنے پائپ سے خوب دھوئیں اڑانے لگے۔ بالآخر یوں گویا ہوئے۔
"جناب لارڈ جان صاحب! کسی علمی مسئلہ میں آپ کی رائے میری نزدیک وہی قیمت رکھتی ہے جو کسی بندوق کے متعلق میری رائے آپ کی نزدیک ہوگی۔ یہ میری رائے ہے اور اسپر مجھے پورا اختیار حاصل ہے، چونکہ ایک مرتبہ اس نے مجھے دھوکہ دیا ہے تو کیا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ بلا چون وچرا میں ہر اس بات پر ایمان لے آؤں، جو یہ بزرگ پیش کریں۔ تو کیا سائنس میں بھی کسی پاپا کو تسلیم کرنے کی ضرورت ہے کہ جو کنیسہ میں بیٹھ کے بیخطا فتوے صادر کیا کرے، اور جن کو لوگ بے عذر مان لیا کریں؟ اجی حضرت! میں سر رکھتے میں بھی ایک دماغ رکھتا ہوں، اور اگر میں اس کو استعمال نہ کروں۔ تو مجھ سے بڑھکر کون احمق اور غلام صفت ہوگا۔ اگر آپ کی خوشی اسی میں ہے کہ

اثیر اور لطیف میں فرق ان ہوا کی خطوط کے متعلق آپ ان جیسی بے سروپا باتوں کو بھی یقین کریں تو چشم ما روشن دلِ ما شاد۔ لیکن جو شخص آپ سے مستند اور فہیم تر ہو اسے تو اپنی اس حماقت میں شریک نہ کیجئے، کیا آپ یہ نہیں دیکھتے کہ اگر اثیر اسی درجہ تک متاثر ہوتا جہاں تک کہ وہ بتلاتے ہیں۔ اور اگر صحت انسانی کیلئے وہ ایسا ہی مضرت رساں ہوتا تو کیا خود ہم پر اس کا اثر ظاہر نہ ہوتا؟"

اسپر اپنی دلیل کی پختگی سے نازاں ہو کر وہ خوب قہقہہ مار کر ہنسے "جی ہاں! حضرت۔ اگر ایسا ہوتا تو ہم اپنی طبعی حالت سے بہت دور جا پڑتے اور بجائے اسکے کہ ریل میں بیٹھ کر علمی مسئلوں پر گفتگو کرتے رہتے، ہم پر وہ سمیت اپنے آثار و علامات ظاہر کرتی ہوتی۔ اب بتلایئے کہ عالمگیر سمی تموج کی کہیں بھی کوئی علامت ہے؟ حضرت، جواب دیجئے، بولئے بولئے، اب بغلیں جھانکنے کی کوئی ضرورت نہیں، اب آپ کو جواب دینا ہی پڑیگا۔"

مجھے اب غصہ پر غصہ آنے لگا۔ ان کے اس اندازِ گفتگو میں کچھ نہ کچھ اشتعال انگیز اور جراحت آمیز بات ضرور تھی۔ چنانچہ میں نے کہا:۔

"میرے خیال میں اگر آپ کو واقعات سے زیادہ واقفیت ہوتی، تو آپ کی رائے میں اتنی قطعیت نہ ہوتی۔"

"سمرلی نے چبوک منہ سے نکال کے میری طرف گھورنا شروع کیا۔

"جناب اس بے موقع اور گستاخانہ کلام سے آپ کا کیا مطلب ہے؟"

"مطلب یہ ہے کہ جب میں دفتر سے آرہا تھا۔ تو ایڈیٹر نے مجھ سے کہا تھا کہ ایک تار وصول ہوا ہے، جس سے معلوم ہوا کہ سماٹرا کے باشندے نہیں

ایک عام وبا پھیل گئی ہے، اور یہ بھی کہا تھا کہ آبنائے سنڈ امیں روشنیاں گل ہوگئی ہیں"
سمرلی نے خوب مچلا کر کہا " خوب نوبت باینجا رسید۔ اجی حضرت انسانی حماقت کی کوئی حد بھی تو ہونا چاہیئے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ آپ اتنا نہیں جانتے کہ اثیر ایک عالمگیر شئے ہے جو دنیا کے اس پار بھی ویسا ہی ہے جیسا کہ اس پار۔ ہاں اگر ہم چیلنجر کا بے اصل و بنیاد مفروضہ مان لیں تو دوسری بات ہے تو کیا آپ ایک لمحہ کیلئے بھی یہ یقین کرتے ہیں کہ ایک انگریزی اثیر ہے اور ایک سماتروی؟ شاید آپ اس خیال میں ہوں کہ 'کنٹ' کا اثیر 'سرے' کے اس اثیر سے اعلیٰ ہے جس سے ہماری ریل گزر رہی ہے، واقعی عامیوں کی ضعیف الاعتقادی اور جہالت کی کوئی انتہا نہیں، کیا یہ خیال میں آسکتا ہے کہ سماترا کا اثیر اسقدر مسموم ہو کہ ٹھیک اسی وقت جبکہ یہاں کا اثیر ہم پر کوئی مقابل محسوس اثر نہ پیدا کر رہا ہو، وہاں بیہوشی پیدا کرتا ہو، مجھ سے پوچھیئے تو میں کہونگا کہ عمر بھر میں اس سے پیشتر نہ تو میں جسمانی حیثیت سے اسقدر توانا تر تھا اور نہ دماغی حیثیت سے متوازن تر"

" ممکن ہے ایسا ہی ہو میں سائنس داں ہونے کا مدعی نہیں" میں نے کہا اگرچہ میں نے سنا ہے کہ ایک نسل کی سائنس دوسری نسل میں مغالطہ قرار پاتی ہے۔ لیکن اس کے سمجھنے کیلئے کچھ زیادہ عقل کی ضرورت نہیں کہ چونکہ ہم اثیر کی بابت بہت کم جانتے ہیں، اسلئے ہو سکتا ہے کہ دنیا کے مختلف حصوں میں مقامی حالات سے اثیر متاثر ہوا ہو اور ہو سکتا ہے کہ جو اثر وہاں پیدا ہو گیا ہے، وہ بعد میں ہم پر بھی آئے"
" ہو سکتا ہے" کی ایک ہی کہی۔ اس طرح سے تو ہر چیز ثابت کر سکتے

ہیں" سمرلی نے غصہ سے جھنجھلا کر کہا " یوں ہی ہی تو کتے اڑ سکتے ہیں"۔
"جی ہاں، جناب۔ کتے اڑ سکتے ہیں، لیکن واقعہ یہ ہے کہ نہیں اڑتے آپ سے بحث کرنے سے فائدہ۔ حضرت پچے لنجر نے آپ کے دماغ میں بھی اپنی لغویات بھر دی ہیں۔ اور اب آپ دونوں استدلال کرنے کے قابل ہی نہ رہے آپ سے بحث کرنا ایسا ہے جیسا ان ہنچوں کے سامنے بین بجانا"
"پروفیسر سمرلی صاحب! میں آپ سے یہ ضرور کہونگا کہ جب آپ سے آخری مرتبہ ملاقات ہوئی تھی، اسوقت سے اب تک آپنے آدابِ مجلس میں بالکل ترقی نہیں کی"۔ لارڈ جان نے ذرا خشونت سے کہا۔
"آپ نواب لوگ ہیں۔ آپ حق بات سننے کے کب عادی ہیں" سمرلی نے زہر خند ہو کر جواب دیا "آپ لوگوں کو تو بڑا ہی شاق گزرتا ہوگا، کیوں جناب جب کوئی آپ کے سامنے یہ ثابت کر دے کہ باوجود اپنے خطاب کے آپ لوگ بالکل جاہل ہوتے ہیں"
اسپر لارڈ جان نے نہایت متانت وسنجیدگی سے کہا " جناب میں قسمیہ کہتا ہوں کہ آپ اگر اتنے مسن نہ ہوتے تو آپ کی ہمت نہ پڑتی کہ اس گستاخانہ انداز میں مجھ سے گفتگو کریں"
سمرلی کھڑکی سے جھانکنے لگے اور ان کی گوسفندی داڑھی ہوا سے ہلنے لگی
" میں نوجوان ہوں یا مسن، میں آپ کو بتلا دینا چاہتا ہوں کہ اپنی زندگی میں اب تک کوئی ایسا وقت نہیں آیا ہے کہ مجھے کسی عامی اکڑباز خاں سے جی ہاں، کسی عامی اکڑباز سے بات کرنے میں تامّل ہوا ہو، چاہے اس کو

اتنے خطابات ہی کیوں نہ ملے ہوں جو غلام ایجاد کر سکتے ہوں، اور احمق قبول کر سکتے ہوں۔

ایک لمحہ کیلئے تو لارڈ جان کی آنکھیں سرخ ہوگئیں، لیکن پھر انہوں نے زبردست کوشش کر کے اپنے غصہ کو روکا اور پھر ہاتھ لپیٹ کے اپنی نشست پر دراز ہو گئے، چہرہ پر تبسم زہر خند نمایاں تھا، میرے لئے تو یہ سب ہولناک اور افسوسناک تھا، میرے اوپر ایک لہر جیسی دوڑ گئی کہ پھر وہ پرانا زمانہ یاد آگیا، کہ کیسی عمدہ محبت تھی، کیسے خوشگوار قسمت آزمائی کے دن تھے جن میں ہم سب نے بلائیں انگیز کی تھیں اور ساتھ ملکر کام کیا تھا، اور پھر کامیابی حاصل کی تھی، اسکا نتیجہ یہ کہ تو تو میں میں تک نوبت آگئی۔ یکایک میں سسکیاں بھرنے لگا۔ زور زور سے منہ بھر کے سسکیاں آنے لگیں۔ کہ روکے نہ رکتی تھیں۔ اب میرے ہمراہیوں نے مجھ پر تعجب کی نظر ڈالی۔ میں نے اپنا منہ ہاتھوں سے ڈھک لیا۔

"کچھ نہیں، سب ٹھیک ہے" میں نے کہا "بس یہی، بس یہی کہ کیسے افسوس کی بات ہے"

"ارے میاں، تم بیمار ہو، یہی تو بات ہے" لارڈ جان نے کہا میں شروع ہی سے دیکھ رہا ہوں، کہ آپ میں کچھ انوکھا پن ہے"

"آپ نے ان تین برسوں میں اپنی عادتوں کی اصلاح نہیں کی" سمرلی نے سر ہلا کر کہا: "جب ہم ملے تھے اسوقت مجھے بھی آپ کے برتاؤ سے کچھ وحشت معلوم ہوئی تھی۔ لارڈ جان صاحب! آپ اپنی ہمدردی

کو ضائع نہ کیجئے۔ یہ آنسو محض شراب کے ہیں، انہوں نے خوب پی ہے۔ ہاں لارڈ جان صاحب! میں نے ابھی آپ کو اکڑ باز کہا تھا۔ شاید یہ ضرورت سے زیادہ درشت تھا لیکن مجھے یاد آیا، کہ ایک زمانہ میں مجھ میں ایک خاص کمال تھا، اگرچہ ادنیٰ درجہ کا اور صرف تفنن کے طور پر۔ آپ تو مجھے ایک خشک سائنسداں سمجھتے ہوں گے تو کیا آپ کو یقین آئیگا کہ ایک زمانے میں متعدد دایہ خانوں میں مجھے مرغیوں کی بولیاں بولنے میں کافی شہرت حاصل تھی، کہئے تو وقت گزارنے میں آپ کی مدد کروں، مرغے کی بولی سننے میں کچھ آپ کو دلچسپی ہے؟"

"نہیں جناب" لارڈ جان نے کہا جن کا غصہ ابھی تک باقی تھا۔ "مجھے کچھ دلچسپی نہیں ہے"

"انڈا دینے کے بعد جسطرح مرغی بولتی ہے اسکی نقل میں خوب کرتا تھا۔ کہئے تو شروع کروں؟"

"نہیں جناب۔ ہرگز نہیں"

لیکن باوجود اس صریح ممانعت کے پروفیسر سمرلی نے اپنا چوک رکھدیا اور پھر باقی سفریوں کا کہ وہ پرندوں اور جانوروں کی بولیاں بول بول کر وقت ٹالنے کی کوشش کرنے لگے، بعض بولیاں تو ایسی مضحک تھیں کہ بجائے آنسو بہانے کے میں خوب زور سے قہقہے مارنے لگا اور ظاہر ہے کہ ان متین پروفیسر کے سامنے بیٹھکر جب میں نے ان کو کبھی پلے کیطرح ٹلیوں ٹلیوں کرتے اور کبھی پرندبچّہ کی طرح چوں چوں کرتے سنا تو میری

قہقہے بالکل مجنونانہ ہو گئے ہو نگے۔ ایک مرتبہ لارڈ جان نے اپنا اخبار میری طرف بڑھایا تو اس کے ایک کونے پر میں نے پنسل سے یہ لکھا دیکھا "بے چارہ غریب کیسا پاگل ہو گیا" واقعی وہ حرکت تھی ہی ایسی۔ لیکن ان کے اس کمال کا میں قائل ضرور ہو گیا۔

جب یہ سب کچھ ہو رہا تھا، تو لارڈ جان میری طرف جھکے اور ایک ہندوستانی راجہ اور بھینس کا قصہ سنانے لگے جسمیں مجھے نہ سر معلوم ہوتا تھا نہ پیر۔ پروفیسر سمرلی نے اب کینری کیطرح چہچہانا شروع کر دیا تھا۔ اور لارڈ جان اپنے قصے کو عروج تک پہنچا چکے تھے، کہ ریل جاروس بروک پر رکی۔ جو راکھر فیلڈ کیلئے اسٹیشن بنایا گیا تھا۔

وہاں پہ چیلنجر صاحب ہماری استقبال کیلئے موجود تھے۔ انکا چہرہ بہت شاندار تھا، جس متین انداز اور دبدبہ کیسا تھ وہ کھڑے تھے اس کے مقابلے میں دنیا بھر کے ناچتے موروں کا انداز گرد تھا۔ اور اپنے گرد ہر شخص کو جس تبسمانہ انداز سے دیکھتے تھے، اس سے معلوم ہوتا تھا، کہ گویا آسمان سے لوگوں کی تسلی کیلئے اتر آئے ہیں۔ اگر کسی بات میں کوئی تبدیلی ان میں پیدا ہوئی تھی، تو وہ یہ کہ ان کی ہر بات اب نمایاں تر ہو گئی تھی، وہ انکا بڑا سر اور بلند پیشانی پہلے سے اور بھی بڑے معلوم ہوتے تھے، ان کی سیاہ ریش عجب انداز سے ہلتی تھی، اور ان کی صاف اور بھوری آنکھیں، جنکی پلکوں میں تمکنت اور تصنع کا انداز تھا، پہلے سے زیادہ تیز ہو گئی تھیں۔

انہوں نے جو مجھ سے ہاتھ ملایا، اور جسطرح مجھے دیکھ کر مسکرائے، اس سے

معلوم ہوتا تھا، کہ گویا ایک صدر مدرس ہے جو ایک چھوٹے بچے کو دعائیں دے رہا ہے۔ اس کے بعد دو بسرونکا خیر مقدم کیا اور جب سب اسباب اور آکسیجن کے اسنوا نے رکھوا چکے تو انہوں نے ہم سب کو ایک موٹر کار میں بٹھایا، جسکو چلانے کیلئے وہی بے جس اور کم گو آسٹن تھا۔ اور جب میں پہلی مرتبہ پروفیسر سے ملاقات کرنے آیا تھا تو یہی شخص خانساماں کی حیثیت رکھتا تھا ہمارا سفر ایک چکر دار پہاڑی پر نہایت خوبصورت اور خوشنما منظروں میں ہو رہا تھا میں آگے موٹر بان کیساتھ بیٹھا تھا اور میری پیچھے میرے تینوں ہمراہی سب کے سب مصروفِ گفتگو تھے۔ جہاں تک میں سُن سکا، لارڈ جان ابھی تک اپنا بھینس والا قصہ سنا رہے تھے، اور سابق کیطرح مجھے پھر سے لنجر کی آواز اور سمرلی کی ضخطے سنائی دینے لگی۔ کیونکہ ان کے دماغ اسوقت اعلیٰ اور ادق علمی مناظرہ میں مصروف تھے، یکایک آسٹن نے چلانیوالے پہیے پر سے اپنی نگاہ ہٹائے بغیر اپنا روغنی چہرہ میری طرف پھیرا۔ کہنے لگا:۔

"مجھ پر نظریں پڑ رہی ہیں"

"کمال ہے" میں نے کہا

آج ہر چیز نرالی نظر آتی تھی۔ ہر شخص غیر متوقع اور عجیب باتیں کرتا تھا۔ ایک خواب سا معلوم ہوتا تھا۔

آسٹن نے ذرا سوچ کے کہا "یہ سینتالیسویں مرتبہ ہے"

"تم کب جاؤ گے"؟ میں نے پوچھا، جب کوئی بات ذہن میں نہ آسکی"

"میں نہیں جاتا" آسٹن نے کہا۔

اسپر گفتگو ختم ہوتی معلوم ہوتی تھی، کہ پھر اس نے یوں چھیڑا:۔

"اگر میں چلا جاؤں، تو ان کی خبر کون لیگا"

اسپر اپنے سر سے اپنے آقا کی طرف اشارہ کیا، "ان کو ملازمت کرنے کو کون ملیگا"

"کوئی اور ملجائیگا" میں نے یوں ہی کہدیا۔

"کوئی بھی نہیں، ہفتہ بھر تو کوئی ٹھیریگا نہیں۔ اگر میں چلا جاؤں۔ تو اس گھر کا ستیاناس ہوجائیگا۔ جیسے کسی گھڑی سے کوئی کمانی نکال لے۔ میں آپ سے اسلئے کہہ رہا ہوں۔ کہ آپ ان کے دوست ہیں۔ اور آپ کو معلوم ہونا چاہئے اگر میں ان کی بات پر جاؤں، لیکن مجھ میں اتنا گردہ نہیں مگر اتنا سمجھ لیجئے، کہ وہ اور بیگم دونوں بچوں کی طرح بلبلانے لگیں گی میں ہی تو ہر چیز ہوں۔ اس پر بھی ان کو دیکھئے کہ آئے اور مجھے جواب دیدیا"

"کوئی ٹھیرتا کیوں نہیں" میں نے پوچھا

"بات یہ ہے کہ کوئی میری طرح ہر بات کا لحاظ نہیں کرسکتا۔ یہ حضرت بڑے ہوشیار ہیں۔ یہ ہمارے آقا، اور بعض اوقات تو اتنی ہوشیاری کرتے ہیں کہ تکلیف دہ ہوجاتی ہے۔ کبھی جوان کی رگ پھڑکتی ہے، تو نہ جانے کیا سے کیا ہوجاتے ہیں، اب دیکھئے آج صبح کی ان کی حرکت ملاحظہ کیجئے"

"کیا کیا؟"

آسٹن میری طرف جھکا، اور کان کے قریب آکر بھری آواز میں کہنے لگا "انہوں نے نعانہ دار کو کاٹ کھایا"

"کاٹ کھایا؟"

"جی ہاں۔ ٹانگ میں کاٹ کھایا۔ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ وہ دروازہ سے نکل کے بھاگ رہی تھی۔"

"کمال ہے"

اگر آپ اور باتوں کو ہوتا دیکھیں۔ تو آپ یہی کہینگے۔ وہ پڑوسیوں سے بھی دوستی پیدا نہیں کرتے، ان میں سے بعض کہتے ہیں کہ آپ نے جن دیوزادوں کا ذکر لکھا ہے ان ہی کے ساتھ آقا بہت خوش تھے، اور یہ کہ اس سے بڑھکر کوئی اور صحبت ان کیلئے موزوں نہ تھی۔ یہی ان لوگوں کا کہنا ہے لیکن میں نے ان کی خدمت دس برس کی ہے، اور اب میں ان سے بہت مانوس ہو گیا ہوں، لیکن جناب کو یاد رہے کہ یہ سب کچھ صحیح، لیکن ہیں وہ ایک بڑے آدمی۔ اور ان کی خدمت کرنا عزت کی بات ہے، لیکن بعض وقت وہ بہت بیجا سخت گیر بنجاتے ہیں۔ اچھا اسے ہی دیکھئے کیا پرانے زمانے کی مہمان نوازی اسی کا نام ہے، آپ بھی اسے پڑھ لیجئے"

موٹر اب اپنی کم سے کم رفتار سے ایک ڈھلوان اور پیچدار راستے پر چڑھ رہی تھی۔ کونے پر مجھے ایک تختۂ اعلان نظر آیا جو ایک تراشیدہ جھاڑی کے اوپر دکھائی دیتا تھا۔ جیسا آسٹن نے کہا تھا، پڑھنا کچھ مشکل نہ تھا کیونکہ الفاظ چند تھے اور توجہ گیر تھے

انتباہ }	اجنبی، نمائندگانِ اخبار اور گداگر نہ آئیں، تو بہتر ہے۔ جی، ای، چے لینجر

آسٹن نے سر ہلا کر اور اس قابل افسوس انتباہ پر نظر ڈال کر کہا "کہئے جناب آپ اسکو تپاک تو نہیں کہینگے، ایک کرسمس کارڈ میں یہ کب بھلا معلوم ہوتا ہے، معاف کیجئے گا برسوں سے میں نے اتنی گفتگو کبھی نہیں کی۔ لیکن آج میرے جذبات مجھ پر غالب آ گئے ہیں، چاہے وہ مجھے کتنا ہی رخصت کریں، اور کتنا ہی جواب دیں لیکن بندہ تو جاتا نہیں، حضرت! صاف بات تو یہ ہے۔ میں ہی انکا خادم اور وہی میرے آقا۔ اور میں تو جانتا ہوں کہ رہتی دنیا تک ایسا ہی رہیگا۔"

اب ہم ایک دروازے کے سفید کھمبوں سے گزر چکے تھے، اور ایک خمدار سڑک پر جا رہے تھے۔ جس کے دو طرفہ خرزہرہ کی جھاڑیاں تھیں اس کے آگے ایک نیچا نیچا اینٹ کا مکان تھا۔ جو بہت خوبصورت اور آرام دہ تھا بیگم چے لنجر کی پستہ نازک اور متبسم صورت کھلے دروازے میں ہمارے استقبال کیلئے کھڑی تھی۔

چے لنجر نے موٹر سے اتر کے کہا "جانِ من! یہ لو ہمارے مہمان آ گئے مہمانوں کا آنا ہمارے لئے ایک نئی بات ہے۔ کیوں ہے نا؟ ہم سے اور ہمارے پڑوسیوں سے کبھی تعلقات رہے ہیں؟ کبھی نہیں۔ اگر وہ ہماری کھانے کی گاڑی میں سنکھیا ڈال سکیں تو مجھے یقین ہے، کہ ضرور ڈالیں گے۔"

"یہی تو غضب ہے! یہی تو غضب ہے!" بیگم نے کچھ ہنس کر اور کچھ رو کر کہا "چے لنجر ہمیشہ ہر ایک سے لڑتے رہتے ہیں یہی وجہ ہے کہ اس نواح میں ہمارا کوئی دوست نہیں۔"

چے لینجر نے اپنی چھوٹی اور موٹی بانہہ بیگم کی کمر میں ڈال کر کہا "اسی وجہ سے تو میں اپنی بے نظیر بیوی کی طرف کامل طور سے ملتفت رہتا ہوں"۔

ایک بن مانس اور ایک غزال کا خیال کیجئے اور آپ کے سامنے دونوں کی تصویر کھنچ جائیگی۔ "خیر جانے دو، یہ حضرات سفر سے تھکے ہوئے ہیں۔ کھانا تو تیار ہوگا۔ کیا سارا واپس آگئی؟"

بیگم نے تاسف سے سر ہلایا۔ اور پروفیسر نے ایک زور کا قہقہہ لگایا اور ڈاڑھی پر ہاتھ پھیرنا شروع کیا۔

"آسٹن! دیکھو، جب تم موٹر کھڑی کر چکو تو دستر خوان چننے میں بیگم صاحبہ کو مدد دو۔ اب حضرات آپ میرے مطالعہ خانے میں آیئے، کیونکہ دو ایک ضروری باتیں ہیں، جنکا ذکر آپ سے کرنے کیلئے میں بہت بیچین ہوں"۔

دوسرا باب

"موج فنا"

جب ہم ہال پار کر چکے تو ٹیلیفون کی گھنٹی بجی، اور پھر ہم نے بلا قصد پروفیسر چے لینجر والا گفتگو کا حصہ سنا، میں نے ہم کہا لیکن یقین ہے کہ سو سو گز تک ہر شخص نے اس زبردست آواز کو سنا ہوگا۔ جو سارے گھر میں گونج رہی تھی۔ ان کے جوابات تا دیر میرے ذہن میں قائم رہے

"جی ہاں، جی ہاں بے شک میں ہی ہوں، ۔ ۔ ۔ ۔ ہاں، ہاں یقیناً پروفیسر چے لنجر، اور کون؟ ۔ ۔ ۔ ۔ بیشک، اسکا ہر لفظ، ورنہ میں اسے نہ لکھتا، ۔ ۔ ۔ ۔ مجھے تعجب نہ ہوگا ۔ ۔ ۔ اسکی بہت سی علامتیں ہیں، ۔ ۔ ۔ ۔ زیادہ سے زیادہ ایک یا دو دن کے اندر ۔ ۔ ۔ ۔ میں کچھ نہیں کرسکتا۔ آپ ہی تبلائیے ۔ ۔ ۔ ۔ بہت ہی ناخوشگوار، بلاشبہ لیکن میری دانست میں آپ سے زیادہ بڑے اشخاص پر بھی یہی اثر ہوگا۔ اب چوں وچرا کرنے سے کیا فایدہ ۔ ۔ نہیں غالباً میں نہیں کوسکتا، آپ بھی اپنی قسمت آزمائیے ۔ ۔ ۔ ۔ بس اتنا ہی کافی ہے ۔ ۔ ۔ کیا لغویت ہے۔ اس خرافات سننے سے بہتر کام میرے لئے موجود ہے۔"

انہوں نے زور سے سماع رکھدیا، اور ہم کو ایک بڑے ہوادار کمرے میں لیگئے۔ جو انکا مطالعہ خانہ تھا۔ وہاں ایک بڑی مہاگنی میز پر سات یا آٹھ بے کھلے تار پڑے ہوئے تھے۔ جب انہوں نے ایک ایک کرکے تار اٹھائے تو کہنے لگے۔

"مجھے یہ خیال ہونے لگا ہے کہ اگر میں کوئی تار کا پتہ اختیار کروں تو میرے نامہ نگاروں کا روپیہ بچ جایا کریگا۔ شاید "نوح راتھر فیلڈ" سب سے بہتر ہوگا۔"

اس خفی مذاق کے بعد جیساکہ انکا معمول تھا، وہ میز پر جھکے، اور نہایت زور سے قہقہہ مارنے لگے۔ یہانتک کہ ہاتھ کانپنے لگے۔ اور وہ لفافے نہ کھول سکے۔

"نوح! نوح!" چھچھوندر کی سی صورت بنا کے وہ کہنے لگے اور لارڈ جان اور میں ان پر رحم کھا کے ہنسنے لگے، اور سمرلی ایک بوڑھے گوسفند کی طرح اپنی نارضامندی ظاہر کرنے کیلئے سر ہلانے لگے۔ بالآخر چیلنجر نے باوجود اپنے شور و شغب کے تار کھولنا شروع کئے۔ اور ہم تینوں پھر کھڑکی کے پاس کھڑے ہو کر خوشنما منظر کا لطف اٹھانے لگے۔

واقعی وہ تھا بھی دیکھنے کے قابل۔ سڑک کے موڑ ہم کو بہت بلندی پر لے آئے تھے۔ اور جیسا کہ ہم کو بعد کو معلوم ہوا۔ ہم سات سو فٹ کی بلندی پر تھے۔ چیلنجر کا مکان پہاڑی کے بالکل کنارے پر تھا۔ اور اس کے جنوبی رخ سے جس طرف کہ مطالعہ خانہ کی کھڑکی تھی، نظر اٹھانے سے وسیع کوہسار دکھلائی دیتا تھا جس کے اس پار جنوبی گھاٹی کے پیچ و خم ایک لہریا افق پیدا کر رہے تھے۔ پہاڑیوں کی ایک گھاٹی میں سے دھواں اٹھتا نظر آتا تھا۔ جس سے مقام لیوس کا پتہ چلتا تھا۔ ٹھیک ہمارے قدموں کے نیچے اوسر کا لہراتا میدان تھا جس میں کروبرا کے گالف کھیلنے کے رمنے ہرے ہرے پیوندوں کی طرح نظر آتے تھے۔ اور جن کے بیچ میں کھیلنے والے گل بوٹے معلوم ہوتے تھے۔ ذرا ہٹ کر جنوب کی طرف جنگل کے ایک پھیلاؤ میں لندن سے برائٹن جانیوالی ریل کی پٹری کا ایک حصہ نظر آتا تھا۔ اس کے سامنے ہی ہماری آنکھوں کے نیچے ایک چھوٹا سا گھرا ہوا صحن تھا جس میں وہ موٹر کھڑی تھی۔ جو ہمیں اسٹیشن سے لائی تھی۔

چیلنجر کی ایک چیخ نے ہمیں اپنی طرف متوجہ کیا۔ وہ اب اپنے

تار پڑھ چکے تھے، اور ان سب کو انہوں نے میز پر ترتیب سے رکھ دیا تھا، ان کا کشادہ اور ناہموار چہرہ یا یوں کہئے کہ جتنا گھنی داڑھی کے اوپر نظر آتا تھا ابھی تک سرخ تھا، اور معلوم ہوتا تھا کہ ابھی تک ان پر زبردست ہیجان طاری تھا۔ چنانچہ ہم سے اس انداز سے مخاطب ہوئے گویا کسی بڑے مجمع کو خطاب کر رہے ہیں :۔

" ہاں حضرات! یہ بلاشبہ دوبارہ یکجائی نہایت ہی دلچسپ ہے اور یہ ہوئی بھی نہایت غیر معمولی بلکہ غیر متوقع حالات میں، میں آپ لوگوں سے یہ دریافت کرنا چاہتا ہوں، کہ شہر سے آتے ہوئے کیا آپ نے کوئی بات ملاحظہ کی ؟"

" میں نے جو کچھ دیکھا" سمرلی نے خندۂ ترش کیساتھ کہا " وہ یہ کہ ہمارے نوجوان دوست نے ان تمام پچھلے سالوں میں ذرا بھی ترقی اپنے عادات واطوار میں نہیں کی ہے۔ مجھے بہت افسوس کیساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ریل میں مجھے ان کے برتاؤ سے سخت شکایت رہی اور یہ صاف گوئی کے خلاف ہوگا اگر میں یہ نہ کہوں کہ میرے دماغ میں اس کا نہایت ناگوار اثر پیدا ہوا ہے۔"

" خیر، خیر۔ ہم میں سے سب بعض وقت بے لطف ہو جاتے ہیں، ان صاحبزادے کی نیت میں فتور نہ تھا۔ بہرحال وہ چونکہ بین قومی ہیں۔ اسلئے اگر فٹ بال کا کھیل بیان کرنے میں آدھ گھنٹہ صرف کر دیں، تو دوسرے لوگوں سے ان کو زیادہ حق حاصل ہے۔"

" آدھ گھنٹہ کھیل بیان کرنے کیلئے!" میں نے ذرا غصہ سے کہا،

" اجی حضرت! یہ تو آپ نے کسی بھینس کی طول طویل کہانی میں آدھ گھنٹہ صرف کیا، پروفیسر سمرلی میرے گواہ ہیں "

" میں ذرا مشکل سے یہ فیصلہ کر سکتا ہوں، کہ آپ دونوں میں کون زیادہ سمع خراشی تھا " سمرلی نے کہا " لیکن چیلنجر صاحب میں آپ سے یہ کہنا چاہتا ہوں، کہ میں ہرگز ہرگز اپنی زندگی میں فٹ بال یا بھینس کا کوئی قصہ سننا نہیں چاہتا "

" میں نے تو آج فٹ بال کے متعلق ایک لفظ بھی نہیں کہا " میں نے احتجاجاً کہا۔

لارڈ جان نے زور سے سیٹی بجائی اور سمرلی نے افسوس کیساتھ سر ہلایا، اور کہنے لگے " اتنی جلدی بھول گئے، واقعی نہایت افسوسناک بات ہے، جب میں افسردہ، اور مستغرق خاموشی کے ساتھ بیٹھا تھا۔۔۔"

" خاموشی کے ساتھ " لارڈ جان چلا اٹھے۔ " واہ حضرت! آپ تو راستے بھر نہ جانے کن کن بولیوں کی نقل کرتے رہے، مجھے تو ایسا معلوم ہوتا تھا، کہ بجائے آدمی کے ایک بگڑا گراموفون بول رہا ہے "

سمرلی غصہ سے احتجاج کیلئے تن گئے اور ذرا روکھا منہ بنا کے کہنے لگے

" لارڈ صاحب اسوقت آپ مذاق پر اتر آئے "

" ارے میاں، گولی ماریئے، یہ تو صاف اور صریح جنوں ہے " لارڈ جان نے کہا، " ہم میں سے ہر ایک کو دوسرے کی حرکتوں کی خبر ہے، لیکن اپنی حرکتیں کوئی نہیں جانتا، اچھا آئیے، اب شروع

سے ہر بات کو دیکھیں، ہم سب پہلے ایک اوّل درجے کے ڈبے میں سوار ہوئے، ہے نہ یہ بات ؟ اور پھر مہربان چے لنجر کے ٹائمز والے خط پر جھگڑنے لگے"

"تو کیا آپ جھگڑ رہے تھے، کیا واقعی ؟" ہمارے میزبان نے کہا

ان کی پلکیں اب بند ہونے لگیں۔

"سمرلی صاحب! آپ ہی نے تو کہا تھا کہ ان کے دعوے میں صداقت کا امکان تک نہیں"

"خوب!" چے لنجر نے داڑھی پر ہاتھ پھیر کے اور سینہ پھلا کر کہا "صداقت کا امکان نہیں، میں نے ان لفظوں کو شاید پیشتر بھی سنا ہے۔ اب میں یہ دریافت کرنا چاہتا ہوں، کہ کون سے دلائل تھے جن کی بنا پر مشہور و معروف پروفیسر سمرلی نے اس بیچارے غریب کی خبر لے ڈالی۔ جس نے ایک علمی امکان کے مسئلہ میں رائے ظاہر کرنے کی جرأت کی پیشتر اس کے کہ وہ اس بدبخت کے وجود کو مفقود کر دیں۔ غالباً وہ اتنا کرم ضرور کریں گے، کہ جو مخالف رائے انہوں نے قائم کی ہے، اس کے دلائل بیان کریں"

جب شاہانہ مخصوص طنز آمیز انداز میں تکلم کر رہے تھے، تو کبھی جھکتے، شانے ہلاتے، اور ہاتھ پھیلاتے

"دلیل تو کھلی ہوئی ہے" ضدی مزاج سمرلی نے کہا "میرا یہ اعتراض تھا، کہ اگر زمین کو گھیرے ہوئے ایتھر، زمین کے کسی خطہ میں اسقدر مسموم تھا، کہ اُس نے ایک وبا پیدا کر دی تو یہ کیسے ممکن تھا۔ کہ ہم تینوں ایک

ریل میں بیٹھے اس سے بالکل متاثر نہ ہوتے۔"

اس تاویل پر چپے لنچر نے تو وہ زور کے قہقہے لگائے، کہ ساری کمری کو سر پر اٹھالیا، بالآخر پیشانی سے پسینہ خشک کر کے کہنی لگے

" یہ کوئی پہلی ہی مرتبہ نہیں ہے کہ ہمارے مکرم سمرلی صاحب واقعات سے یوں بے بہرہ ہوں۔ اب حضرات میری خیال میں میں اس سے زیادہ نہیں کر سکتا۔ کہ آج صبح خود مجھ پر جو گزری، اسکو تفصیل کیساتھ آپ لوگوں کے سامنے بیان کر دوں، جب آپ کو یہ معلوم ہوگا کہ بعض واقعات ایسے بھی ہوئے ہیں۔ جنہوں نے میرے توازنِ ذہنی کو درہم برہم کر دیا تو آپ لوگوں کو اپنی ذہنی ژولیدگی کا اتنا افسوس نہ ہوگا۔

اس مکان میں کئی برس سے ایک خانہ دار ملازم ہے، جس کا نام سارہ ہے جس کے نام کے دوسرے حصے سے آگاہ ہونے کی میں نے کبھی کوشش نہیں کی۔ وہ سخت اور سنجیدہ مزاج کی ایک عورت ہے، اسکا انداز بہت پُر تکلف اور پر احتیاط تھا۔ طبعاً وہ بہت بجس تھی۔ اور ہماری تجربے میں اب تک تو اس نے کسی جذبے یا ولولے کو ظاہر نہیں ہونے دیا، آج میں ناشتہ پر اکیلا بیٹھا تھا۔ بیگم صاحبہ تو صبح کے وقت اپنے ہی کمرے میں رہا کرتی ہیں کہ یکایک میری ذہن میں یہ خیال آیا، کہ یہ دیکھنا بہت دلچسپ اور سبق آموز ہوگا کہ اس عورت کی بجسی کی کوئی حد بھی ہے، اس کیلئے میں نے سیدھا سا مگر موثر تجربہ کیا۔ ایک چھوٹے گلدان کو جو دسترخوان کے بیچ میں رکھا تھا میں نے الٹ دیا۔ اور پھر گھنٹی بجا کے میز کے نیچے دبک رہا۔ وہ داخل

ہوئی، اور کمرے کو خالی پاکے سمجھی کہ میں مطالعہ خانے میں چلا گیا ہوں جیسی
کہ مجھ کو توقع تھی، وہ میز کے قریب آئی اور گلدان کو سیدھا کرنے کیلئے جھکی
اب مجھے سوتی موزے اور ربڑ دار جوتے نظر آئے، اپنا سر باہر نکال کے میں نے
اسکی پنڈلیوں میں خوب زور سے کاٹا، یہ تجربہ امید سے زیادہ کامیاب رہا،
چند لمحے تو وہ بالکل مبہوت میرے سر پر نظر جمائے کھڑی رہی۔ اس کے بعد
ایک چیخ ماری اور اپنے کو چھڑا کے کمرے سے باہر بھاگی۔ میں اس کے پیچھے
بھاگا کہ کچھ اسے سمجھاؤں لیکن وہ سڑک پر نہایت تیزی سے بھاگی اور چند لمحے
بعد جو میں نے اپنی دوربین سے دیکھا، تو اسکو جنوب مغربی سمت میں نہایت تیزی
سے بھاگتے دیکھا، میں نے یہ واقعہ من وعن بیان کر دیا، اب میں نے آپکے
ذہنوں میں اسکا بیج تو بو دیا ہے دیکھئے پھل کیا پیدا ہوتا ہے، کہئے! آپ نے
کچھ روشنی پائی؟ آپ کے دماغوں نے کوئی اثر قبول کیا؟ لارڈ جان صاحب
آپ اس کی نسبت کیا رائے رکھتے ہیں؟"

لارڈ جان نے نہایت متانت سے اپنا سر ہلایا اور کہنے لگے :۔

"اگر جناب نے ابھی تدارک نہ کیا تو آئندہ چل کر آپ کو ایک نہ ایک دن
کسی مصیبت میں مبتلا ہونا پڑیگا۔"

"سمرلی صاحب! شاید آپ کچھ کہیں؟"

"ہاں یہ کہ سارا کام فوراً چھوڑ دیجئے، اور تین مہینہ تک کسی جرمن گھاٹ
میں جا کے رہیئے۔"

"خوب! خوب! بہت خوب!" چیلنجر چلا اٹھے

"اچھا۔ میرے نوجوان مہربان! کیا یہ ممکن ہے کہ جہاں آپ سے بزرگ تر اصحاب یوں ناکام رہے وہاں آپ سے کوئی بات صحیح معلوم ہو سکے"

چنانچہ صحیح بات معلوم ہوئی۔ میں نہایت انکسار کے ساتھ کہتا ہوں۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ معلوم ہو کے رہی۔ بیشک اب جبکہ ہر واقعہ آپ کی نظروں کے سامنے ہے۔ آپ کو ہر بات بدیہی معلوم ہوتی ہے۔ لیکن جس وقت ہر بات نئی تھی اُس وقت یہ بداہت نہ تھی، لیکن مجھ پر دفعتہً نہایت یقین کے ساتھ القا ہوا۔ چنانچہ میں چلا اٹھا:۔

"زہر"

جوں ہی کہ میں نے یہ لفظ ادا کئے میرا ذہن آج صبح کے تمام واقعات کیطرف دوڑ گیا۔ کہ لارڈ جان اپنی وحشیں کا قصہ سنا رہے تھے، میں اپنے آنسو بہا رہا تھا۔ اور پروفیسر سمرلی عجیب وغریب حرکتیں کر رہے تھے۔ پھر لندن کے انوکھے واقعات کا خیال آیا۔ کہ باغیچہ میں کیونکر جھگڑا ہوا۔ اور پھر شوفر نے کس طرح موٹر چلائی۔ اور آکسیجن فروش کی دکان پر کیا جھگڑا ہوا۔ اب ہر چیز اپنی جگہ پر بیٹھتی نظر آتی تھی، چنانچہ میں نے پھر کہا۔

"بے شک یہ زہر ہے۔ ہم سب مسموم ہو گئے"

"بالکل درست" چیلنجر نے ہاتھ ملتے کہا "ہم سب مسموم ہو گئے" ہمارا سیارہ ایثر کے حلقۂ مسموم میں آگیا ہے۔ اور اب اُسمیں لاکھوں میل فی دقیقہ کی رفتار سے اور بھی آتا جاتا ہے۔ ہماری تمام تکلیفوں اور پریشانیوں کی علت ہمارے نوجوان دوست نے ایک لفظ "زہر" میں کردی"

اب ہم متعجبانہ خاموشی سے ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔ صورت حال کیلئے کوئی بات ہی موزوں نہ معلوم ہوتی تھی۔ بالآخر چیے لیجر یوں گویا ہوئے:۔

"ذہن میں ایک قوتِ مدافعت ایسی ہوتی ہے جس سے ہم اس قسم کی علامات کو روک سکتے ہیں۔ اور ان کو قابو میں رکھ سکتے ہیں۔ مجھے یہ توقع نہیں کہ آپ سب میں اس قوت نے اسدرجہ تک نشوونما پایا ہو۔ کہ جس حد تک مجھ میں موجود ہے۔ کیونکہ میرا خیال یہ ہے کہ ہمارے ذہنی اعمال کی طاقت بھی ہماری ہی نسبت سے ہؤا کرتی ہے لیکن اس میں شک نہیں کہ ہمارے ان نوجوان دوست میں وہ ایک قابلِ احساس حد تک موجود ہے۔ اس طوفانِ جوش کے بعد جس نے میری ملازمہ کو اسقدر خائف کر دیا۔ میں بیٹھ گیا۔ اور خود سے استدلال کرنے لگا۔ میں نے یوں سوچا کہ اس سے پیشتر گھر کے آدمیوں میں سے کسی کو کاٹنے کی خواہش مجھ میں کبھی پیدا نہیں ہوتی۔ معلوم ہؤا کہ یہ تحریک خلافِ معمول تھی۔ فوراً ہی میرے ذہن میں صحیح بات اتر آئی۔ میں نے اپنی نبض دیکھی۔ تو معمول کے خلاف دس ضربیں زیادہ پائیں تنفس زیادہ ہو گیا تھا۔ اب میں نے اپنے بلند تر اور صحیح تر نفس یعنی اصلی جی۔ای چیے لیجر کو طلب کیا۔ جو ان تمام مادی تموجات سے علیحدہ نہایت متین اور محفوظ مقام پر بیٹھا ہؤا تھا۔ ہاں میں کہتا ہوں کہ میں نے اپنے اس نفس کو طلب کیا۔ تاکہ وہ دیکھے کہ یہ زہر کن کن حرکاتِ ناشائستہ کا مرتکب بنا سکتا ہے۔ میں نے دیکھا کہ واقعی میدان میرے ہاتھ تھا۔ میں نے جانا

کہ میں خللِ دماغ کو پہچان سکتا تھا اور اسکو قابو میں رکھ سکتا تھا۔ یہ ایک حیرت انگیز مثال تھی، مادے پر نفس کے تسلط کی۔ کیونکہ یہ تسلط مادے کی اس خاص صنف پر تھا جس کا نفس سے بہت گہرا تعلق ہے۔ اور میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ دماغ مین اسوقت فتور تھا اور ذات اسپر غالب تھی۔ چنانچہ جب میری بیوی نیچے آئیں اور مجھ میں یہ چل پیدا ہوئی کہ دروازے کے پیچھے دبک کے کسی مکروہ آواز سے انہیں ڈراؤں تو میں اپنی اس چُل کو دبا سکا اور پھر نہایت متانت اور سنجیدگی سے ان کا استقبال کر سکا۔ اسی طرح جب بطخ کی طرح قائیں قائیں کریگا خیال آیا تو وہ بھی اسی طرح قابو میں کر لیا گیا۔ بعدہٗ جب میں نیچے اترا اور موٹر کے پاس آسٹن کو مرمت میں مصروف دیکھا تو میرے جی میں آئی کہ اس کے ایک چپت رسید کروں لیکن پھر میں نے اپنے کو قابو میں کر لیا اور اٹھا ہاتھ روک لیا۔ ورنہ شاید اس کو بھی خانہ دار کے نقشِ قدم پر چلنا پڑتا۔ برخلاف اس کے میں نے یہ کیا کہ آہستہ سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ اور یہ حکم دیا کہ آپ لوگوں کو اسٹیشن سے لانے کیلئے موٹر تیار رہے اور اب اسوقت میرے دل میں یہ زبردست خواہش پیدا ہوئی ہے۔ کہ میں پروفیسر سمرلی کو ان کی گوسفندی ڈاڑھی پکڑ کے خوب زور سے جھنجھوڑوں۔ لیکن آپ مجھے دیکھتے ہیں۔ کہ میں پورے طور سے آپے میں ہوں۔ میں اپنی مثال آپ لوگوں کیلئے پیش کرتا ہوں۔"

"اچھا تو میں ذرا اس بھینس کی تلاش کرونگا۔" لارڈ جان نے کہا۔

"اور میں فٹ بال کے میچ کی خبر لیتا ہوں۔"

"ممکن ہے چے لنجر صاحب! آپ ہی صحیح ہوں" سمرلی نے سنجیدہ آواز میں کچھ سمجھ کے کہا۔ "میں اس اعتراف پر تیار ہوں کہ میرا رجحانِ دماغی تعمیری ہونے کی بجائے تخریبی ہے۔ اور یہ کہ میں کسی نئے نظریہ کا جلد قائل نہیں ہو جاتا۔ بالخصوص جب وہ اس جیسا انوکھا اور نرالا ہو۔ بہر حال اب جبکہ میں آج صبح کے واقعات پر نظر ڈالتا ہوں۔ اور اپنے ہمراہیوں کے عجیب و غریب برتاؤ کو یاد کرتا ہوں تو پھر مجھے اس کے باور کرنے میں ذرا بھی تامل نہیں کہ اس سب کا ذمہ دار کوئی ہیجان آور زہر ہے۔"

چے لنجر نے خوش مزاجی سے اپنے ہم مشرب کا کندھا تھپتھپایا اور کہنے لگے "ہم ترقی کر رہے ہیں۔ یقیناً ہم ترقی کر رہے ہیں۔"

اس پر سمرلی نے انکسارانہ پوچھا "اچھا یہ تو بتلایئے، حضرت! کہ موجودہ صورتِ حال کی بابت آپ کا کیا خیال ہے؟"

"آپ کی اجازت ہو تو چند الفاظ اس موضوع پر عرض کروں" یہ کہہ کے وہ اپنی میز کے پاس بیٹھ گئے۔ اور اپنی چھوٹی اور موٹی ٹانگیں ہلانے لگے "ہم ایک نہایت عظیم الشان اور ہیبتناک تقریب میں شریک ہیں۔ میری رائے میں یہ دنیا کے خاتمے کی تقریب ہے"

دنیا کا خاتمہ! ہماری آنکھیں اس بڑی کھڑکی کی طرف اٹھیں اور ہم نے قرب و جوار کے خوبصورت منظر کو دیکھا۔ مرغزار و سبزہ زار نظر آئے۔ دیہاتی مکانات دکھائی دیئے اور لاعبین اپنے لہو و لعب میں مشغول نظر آئے اور پھر دنیا کا خاتمہ! یہ الفاظ سننے تو بہت تھے

لیکن یہ تصور، کہ یہ فوراً عملی جامہ پہننے والے ہیں نہ کہ کسی موہوم و مبہم دن کو ظہور پذیر ہوں گے۔ اور یہ کہ آج اسی وقت انکا ظہور ہونے والا ہے نہایت ذریعہ پر عظمت و ہیبت تھا۔ ہم سب کے سب مبہوت سے رہ گئے اور یہ انتظار کرنے لگے کہ چے لنجر کچھ اور کہیں۔ ان کے زبردست وجود اور شکل نے ان الفاظ میں اور بھی مرعوبیت پیدا کر دی۔ یہاں تک کہ ایک لمحہ کیلئے ہم ان کی تمام لغویات و توہمات کو بھول گئے اور ہمارے سامنے وہ عظیم الشان اور عام سطح سے بلند انسان نظر آنے لگے۔ پھر کم از کم مجھے اس خیال سے ذرا اطمینان ہوا کہ ہمارے کمرے میں داخل ہونے کے وقت سے وہ دو مرتبہ خوب ہنسے۔ یقیناً خلل دماغ کی بھی کوئی حد ہوتی ہے بہرحال یہ بحران اسقدر عظیم اور اسقدر لابدی نہیں ہو سکتا۔

چے لنجر نے اب یوں کہنا شروع کیا:۔

آپ ایک خوشۂ انگور کا تصور کیجیئے، جسپر ننھے ننھے لیکن مضرت رساں جراثیم لپٹے ہوں۔ باغبان اس خوشہ کو ایک جرمارہ (جراثیم مارنیوالا) واسطے میں سے گزارتا ہے۔ ممکن ہے کہ باغبان کی یہ خواہش ہو کہ اس کے انگور صاف تر ہوں۔ یا ممکن ہے کہ پہلے سے کم مضرت رساں جراثیم پیدا کرنے کے لئے جگہ مطلوب ہو وہ اس کو زہر میں ڈبو دیتا ہے اور جراثیم سب کے سب فنا ہو جاتے ہیں۔ میرے خیال میں ہمارا باغبان ازلی اس شمسی نظام کو اسی طرح ڈبونے والا ہے اور انسانی جراثیم یعنی وہ چھوٹا فانی مرتعشہ جو زمین کے بالائی قشر پر بل کھاتا، اور تلملاتا تھا، وہ ایک

لمحہ میں ختم کر فنا ہو جائیگا۔"

اسپر خاموشی طاری ہوگئی، اس خاموشی کو ٹیلیفون کی گھنٹی کی تیز آواز نے توڑا۔ اچھے لنجر نے خندۂ بریاں کے ساتھ کہا "دیکھئے ہمارے جرائم میں سے ایک کو مدد کی ضرورت ہے۔ اب وہ اس بات کو سمجھنے لگے ہیں کہ ان کی مسلسل زندگی کائنات کے لوازمات میں سے نہیں ہے"

وہ کمرے سے ایک یا دو منٹ کیلئے چلے گئے۔ مجھے یاد ہے کہ ان کے غیاب میں ہم میں سے کوئی نہ بولا۔ حالت ہی ایسی تھی، کہ قیل و قال کی گنجائش نہ تھی۔ جب وہ واپس آئے تو کہنے لگے۔

"برائی ٹن کے طبی افسر صحت تھے۔ سطح سمندر پر کسی نہ کسی وجہ سے یہ علامات زیادہ نشو و نما پا رہی ہیں۔ ہم چونکہ ۷۰۰ فٹ کی بلندی پر ہیں اسلئے ہمیں کسیقدر فوقیت حاصل ہے۔ لوگوں کو معلوم ہو گیا ہے کہ اس مسئلہ پر میں ہی سند اول ہوں۔ اسمیں شک نہیں کہ یہ میرے ٹائمز والے خط کا نتیجہ ہے۔ اپنے یہاں پہنچنے پر میں جس سے گفتگو کر رہا تھا۔ وہ ایک شہر کا رئیس البلد تھا۔ آپ لوگوں نے مجھے ٹیلیفون پر سنا ہو گا وہ اپنی زندگی کی قیمت خواہ مخواہ بہت زیادہ سمجھ رہے تھے۔ میں نے ذرا ان کے خیالات درست کیئے۔"

سمرلی اٹھ چکے تھے۔ اور اب کھڑکی کے پاس جا کھڑے ہوئے ان کے پتلے پتلے سوکھے ہاتھ اندرونی ہیجان سے کانپ رہے تھے! اور پھر نہایت متانت سے کہنے لگے:۔

"چے لنجر! یہ معاملہ بہت سنگین ہے۔ یہ یوں ہی فضولیات میں اڑا دینے والا نہیں، یہ نہ سمجھئے کہ سوالات پوچھکر میں آپ کو برافروختہ کرنا چاہتا ہوں لیکن آپ سے یہ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ کہ آپ کی معلومات اور آپ کے استدلال میں کسی قسم کا کوئی مغالطہ تو نہیں ہے۔ وہ دیکھئے سامنے اس گنبد نیلی رواق میں آفتاب اپنی پوری تابش کے ساتھ چمک رہا ہے۔ وہ دیکھئے وہ مرغزار وہ پھول، وہ پرند سب اپنی اپنی حالت پر ہیں۔ وہ دیکھئے گالف باز اپنی بازی میں مصروف ہیں، اور کاشتکار غلہ کاٹ رہے ہیں۔ آپ کہتے ہیں کہ وہ اور ہم فنا کے قریب آپہنچے۔ یعنی کہ یہ روز روشن وہ یوم آخر ہے جس کا انتظار نسل انسانی اب تک کرتی آئی ہے۔ جہاں تک ہم کو معلوم ہے آپ نے یہ عظیم الشان نتیجہ کس بنا پر اخذ کیا؟ اسی پر نا، کہ طیف میں چند غیر طبعی خطوط نظر آئے ہیں۔ اور سماترا سے خبریں آئی ہیں۔ اور یہ کہ ہم سب ایک دوسرے میں عجیب ذاتی ہیجان دیکھ رہے ہیں۔ اگرچہ یہ کیفیت اسقدر نمایاں نہیں ہے کہ آپ اور ہم کوشش کر کے اسکو دبا نہ سکیں۔ چے لنجر صاحب! ہم سے تکلف نہ کیجئے اس سے پیشتر بھی ہم سبھوں نے موت کا مقابلہ کیا ہے۔ فرمائیے حضرت۔ اور صحیح صحیح فرمائیے۔ کہ اسوقت ہم کس مقام میں ہیں۔ اور آئندہ کیلئے ہماری کیا امیدیں ہو سکتی ہیں؟

یہ ایک زبردست اور عمدہ تقریر تھی۔ یعنی یہ تقریر اس پُرجوش اور قوی روح کی تھی جو اس بڈھے حیوانیاتی کی سوداویت اور تلون مزاجی کے پردے میں نہاں تھی۔ لارڈ جان اٹھے اور انکا ہاتھ زور سے ہلا کر کہنے

لگے۔

"میرے دل کی بات کہدی۔ہاں پچےلنجر صاحب اب آپ کیلئے مناسب ہے کہ ہم کو بتلائیے کہ ہم کہاں ہیں؟ آپ جانتے ہیں کہ ہم ڈرنے والے لوگ نہیں ہیں۔ہم آئے تو ایک ہفتہ کی تعطیل منانے۔لیکن اب معلوم ہوا کہ ذالك يَوْمُ الدِّين یہی یوم فصل ہے تو آپ ہی بتلائیے کہ تاویل وتوجیہہ کی ضرورت ہے یا نہیں۔ صاف صاف بتلائیے کہ خطرہ کیا ہے، اور کسقدر واقع ہوچکا ہے۔اور اس کا مقابلہ کرنے کیلئے ہم کیا کرنیوالے ہیں؟"

دراز قد اور مضبوط لارڈ جان اپنا ہاتھ سمرلی کے کندھے پر رکھے کھڑکی کے سامنے روشنی میں کھڑے تھے، میں ایک آرام کرسی پر دراز تھا۔اور میرے ہونٹوں میں ایک بجھا سگریٹ دبا تھا۔میری حالت اس وقت غنودگی کی سی تھی جس میں دماغ پر اثرات بہت صاف مرتسم ہوتے ہیں۔ممکن ہے کہ یہ بھی سمیت ہی کی کوئی تاثیر ہو۔لیکن وہ ہذیانی کیفیت اب جاتی رہی تھی۔اور اس کی بجائے اب نقاہت پیدا ہوگئی تھی۔ لیکن ساتھ ہی اس کے دماغ بہت حساس ہوگیا تھا۔میں گویا تماشبین تھا مجھے معلوم ہوتا تھا کہ گویا میری ذات کو ان تمام باتوں سے کوئی تعلق نہیں، لیکن سامنے تین مضبوط آدمی بحران میں مبتلا تھے۔ان کو دیکھنا ہی نہایت دلکش تھا۔چےلنجر صاحب نے جواب دینے سے پہلے ذرا اپنی گھنی بھویں ملائیں اور داڑھی پر ہاتھ پھیرا۔اس سے معلوم ہوتا

تھا کہ وہ اپنی ہر بات کو تول رہے ہیں۔ پوچھنے لگے :-

"جب آپ نے لندن چھوڑا، تو تازہ ترین خبر کیا تھی ؟"

" میں دس بجے کے قریب گزٹ کے دفتر میں تھا " میں نے کہا، "سنگاپور سے ریوٹر کا تار آیا تھا۔ کہ سماٹرا میں یہ وبا ہمہ گیر معلوم ہوتی ہے جس کی وجہ سے روشنی کے منارے جلائے نہیں جا سکے۔"

" اس کے بعد سے واقعات کی رفتار بہت تیز ہو گئی " چیلنجر نے تاروں کی گڈی اٹھا کر کہا " افسروں اور اخبار والوں دونوں سے میری مخابرت جاری ہے جس سے سب جگہوں کی خبریں مجھ تک آ رہی ہیں۔ اور فی الحقیقت ہر شخص اسپر مصر نظر آتا ہے کہ میں لندن آؤں لیکن مجھے اس میں کوئی فائدہ نظر نہیں آتا۔ بیانوں سے معلوم ہوتا ہے کہ زہریلا اثر پہلے دماغ کو مختل کر دیتا ہے پیرس سے خبر آئی ہے کہ وہاں آج صبح زبردست ہنگامہ ہوا۔ اور ویلز کے کوئلہ کھودنیوالوں نے بھی شور مچا رکھا ہے جہاں تک کہ شہادت بہم پہنچی ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ ہیجانی کیفیت، جو اقوام و افراد کے ساتھ مختلف ہے جب گزر جاتی ہے تو اس کے بعد ایک طرح کا نخزاور روشن دماغی پیدا ہو جاتی ہے اور مجھے تو اس کی علامتیں اپنے نوجوان دوست میں نظر آتی ہیں، اس کے بعد ایک معتد بہ مدت ختم ہونے پر وہ کیفیت سکتہ میں بدلجاتی ہے جو بالآخر بہت جلد موت پر منتج ہو جاتی ہے۔ جہاں تک میرا سمیات کا علم کام دیتا ہے میں سمجھتا ہوں کہ بعض نباتاتی عصبی زہر ہوتے ہیں۔

" دھتورا " سمرلی نے تجویز کیا۔

"بہت خوب" چے لنجر نے کہا۔ "ہاں اگر ہم اپنے سمی فاعل کا نام تجویز کر سکیں تو علمی صحت پیدا ہو جائیگی۔ فرض کرو کہ اسکا نام دھتوریہ ہے۔ جناب سمرلی صاحب یہ سہرا آپ ہی کے سر ہے۔ اگرچہ افسوس ہے کہ آپ کے بعد ہوگا گو شان یکتائی لئے ہوئے اکہ آپ نے اس ہمہ گیر مہلک شے باغبان ازلی کے جرمار کا ایک نام رکھدیا۔ پس دھتوریہ کی علامتیں ایسی ہونگی جیسی کہ میں بیان کرتا ہوں یعنی یہ تمام دنیا پر محیط ہو جائیگا۔ اور مجھے تو یقین ہے کہ کسی قسم کی زندگی کا وجود اس کے بعد نہیں پایا جا سکتا۔ کیونکہ اثر ایک عالمگیر مادہ ہے۔ اتبک جہاں کہیں اس کے حملے ہوئے ہیں وہاں اس نے تلون بہت دکھلایا ہے لیکن فرق صرف چند گھنٹوں کا ہے اس کی مثال ایک بڑھتے دھارے کی ہے کہ پہلے ایک قطعہ غرق ہو گیا اور پھر دوسرا، کہیں کہیں اس میں سے نالے ادھر ادھر پھٹ جاتے ہیں۔ لیکن بالآخر وہ سب کو غرق کر لیتا ہے اگر ہمارے پاس مطالعہ کرنے کیلئے وقت ہوتا تو ہم ان دلچسپ کلیات و قوانین کو دریافت کرتے جن کے تحت دھتوریہ کا عمل اور تقسیم انجام پاتے ہیں۔ جہاں تک مجھے پتہ لگا ہے"۔ یہاں انہوں نے اپنے تاروں کو دیکھا "وہ قومیں جو کم تربیت یافتہ ہیں وہی اس کے اثر میں سب سے پہلے آئی ہیں۔ افریقہ سے بہت افسوسناک خبریں آئی ہیں۔ اور آسٹریلیا کے اصلی باشندے تو فنا ہی ہو گئے۔ جنوبی قوموں کے مقابلے میں شمالی قوموں نے زیادہ تاب مقاومت دکھلائی۔ یہ دیکھئے یہ آج صبح نو بجکر چالیس پر مارسیلز سے چلا ہے میں آپ کو لفظ بلفظ سناتا ہوں:۔

" پراونس بھر میں تمام رات ہذیانی کیفیت رہی۔ نیمز پر انگوروں کے

کاشتکاروں میں ہنگامہ، طولوں میں اشتراکی شورش۔ آج صبح تمام آبادی پر ایک دباسکتہ کیساتھ طاری ہوئی۔

سڑکوں پر لاشوں کی کثرت، تمام کاروبار بند اور عالمگیر ابتری"،

ایک گھنٹے بعد پھر وہیں سے یہ خبر آئی:۔

"ہم کو بالکل فنا ہو جانے کا خطرہ ہے۔ گرجا اور صوامع کھچا کھچ بھرے۔ مردوں کی تعداد زندوں سے زیادہ، نہایت بعید از فہم اور ہولناک، مرض بغیر درد کے ہوتا ہے لیکن فوراً اور یقینی طور پر"،

"پیرس سے بھی ایسا ہی تار آیا ہے، جہاں حالت ابھی اتنی شدید نہیں ہندوستان اور ایران تو بالکل ہی نیست و نابود ہو گئے۔ آسٹریا کی سلافی قوم بھی متاثر ہے۔ لیکن ابھی تک ٹیوٹانی قوم پر اثر نہیں پڑا ہے۔ بحیثیت عمومی جہاں تک میری اطلاعیں تبلاتی ہیں۔ ساکنانِ میدان وساحل، اندرون ملک اور پہاڑیوں کے رہنے والوں کے مقابلے میں جلد تر متاثر ہوتے ہیں۔ ذرا سی بلندی بھی بہت فرق پیدا کر دیتی ہے اور اگر نسل انسانی کا کوئی پس ماندہ رہا تو شاید وہ پھر ارارات یا جودی ہی پر ملیگا۔ یہ ممکن ہے کہ یہ ہماری چھوٹی سی پہاڑی بھی بحرِ بلا کا ایک جزیرہ ثابت ہو، لیکن موجودہ رفتار کے حساب سے چند گھنٹوں میں ہم سب غرق ہو جائینگے"۔

لارڈ جان نے اپنی پیشانی سے پسینہ پونچھا اور کہنے لگا:۔

"میری سمجھ میں یہی بات نہیں آتی، کہ ہاتھوں میں تاروں کا پلندہ لئے ہوئے آپ بیٹھے کیسے ہنس رہے ہیں۔ موت کا سامنا تو مجھے اکثر

ہُوا ہے، لیکن عالمگیر موت! یہ بہت ہولناک ہے"

"ہنسنے کو آپ کیا کہتے ہیں" چے لنجر نے کہا "آپ کو تو یاد ہونا چاہیئے کہ آپ کی طرح میں بھی اس اثیری زہر کے دماغی اثرات سے امن میں نہیں رہا ہوں، لیکن عالمگیر موت سے جو آپ کے دل میں ایک ہیبت سی طاری ہو گئی ہے وہ میرے خیال میں زائد از ضرورت ہے - ہاں اگر آپ کھلی کشتی میں تن تنہا سمندر میں کسی نامعلوم مقام کیلئے چھوڑ دیئے جائیں اور اس وقت آپ کا دل بیٹھ جائے تو کوئی تعجب نہیں - وہ تنہائی اور وہ بے اطمینانی واقعی آپکو بہت پریشان کریگی - لیکن اگر آپ کا سفر ایک اچھے جہاز میں ہو اور اس میں آپ کے اعزہ و اقربا اور احباب موجود ہوں - تو پھر آپ کو یہ محسوس ہوگا - کہ آپ کی منزلِ مقصود کیسی مبہم ہی کیوں نہ ہو آپ کو یہ اطمینان رہیگا، کہ ہم سب اس تجربے میں شریک ہیں - اور پھر یہ احساس اخیر وقت تک رہیگا تنہائی کی موت ممکن ہے کہ ہولناک ہو لیکن ایک عالمگیر موت، اور ایسی بلا تکلیف جیسی کہ یہ معلوم ہوتی ہے - میری رائے میں ہرگز کسی اندیشہ کی بات نہیں ہے لیکن ہاں مجھے اس شخص کے ساتھ ہمدردی ضرور ہے، جس کا یہ خیال ہو کہ اسکی ہیبت صرف اس خیال میں ہے کہ جملہ مشاہیر اور علما و فضلا اٹھ جائینگے - اور اکیلے ہم ہی باقی رہ جائینگے"

"اچھا تو پھر آپ کی رائے میں کیا کرنا چاہیئے؟" سمرلی نے پوچھا جنہوں نے اس مرتبہ تو اپنے ہم مشرب کے استدلال کی داد دے ہی دی -

"چل کر کھانا کھائیں"۔ مکان میں گھنٹی کی آواز سنکر چے لنجر نے کہا

"ہمارے پاس ایک ماہی جو بیسندوں کے بعد خاگینہ بہت عمدہ پکاتی ہے ہم کو امید ہے کہ اس عالمگیر تہیج نے اسکی قابلیتوں میں فرق نہ پیدا کیا ہوگا میرے پاس ۱۸۹۶ء والی بنت العنب مقید ہے جہاں تک ہم سے ہو سکے ہمیں اسکے رہا کرنے کی کوشش کرنا چاہیئے، ورنہ وہ فضول ضائع ہوگی۔"

اب وہ میز پر سے جھکے، جس پر اب تک بیٹھے تھے، اور اس سیارے کی قسمت کا فیصلہ سنانے لگے۔ کہنے لگے "اگر وقت تھوڑا رہ گیا ہے تو اور بھی ضروری ہے کہ ہم سنجیدہ اور معقول تفریح میں اسے گزاریں۔"

فی الواقع اس وقت کا کھانا بہت پر لطف رہا، یہ صحیح ہے کہ ہم اپنی اس ہیبت ناک حالت کو بھولے نہ تھے بلکہ ہمارے ذہنوں میں اسکی اہمیت پوری پوری موجود تھی، چنانچہ ہمارے خیالات اس سے متاثر ضرور تھے۔ لیکن غالباً وہ روح ہی ہوتی ہے، جسکو کبھی فنا سے سابقہ نہیں پڑا، اور جو اس وجہ سے اس اختتام پر موت سے اسقدر جھجکتی ہے ہم میں سے ہر ایک کیلئے اپنی اپنی زندگیوں میں ایک مدت مدید کیلئے موت ایک مانوس چیز رہی ہے۔ رہیں وہ خاتون، تو ان کو اپنے زبردست شوہر پر پورا بھروسہ تھا۔ اور وہ قانع تھیں کہ جس راستے پر وہ چاہیں ان کو لیجائیں مستقبل تو قضا وقدر کے ہاتھوں میں تھا۔ البتہ حال ہماری قبضے میں تھا، چنانچہ ہم نے اُس کو خوش صحبتی اور تفریح میں گزارا، جیسا کہ میں کہہ چکا ہوں ہمارے دماغ غیر معمولی طور پر روشن تھے۔ بعض اوقات تو میں بھی نور افشانی کرنے لگتا اور چیلنجر کا تو کیا کہنا، وہ تو بس بالکل اعجوبہ تھے، اس سے پیشتر

میں نے کبھی ان کی ذاتی عظمت وشان کا یہ اندازہ قائم نہ کیا تھا۔ اور ان کے فہم و فراست کی وسعت اور زور کا اتنا قائل ہوا تھا۔ سمرلی بیچ بیچ میں کہیں کہیں کوئی اعتراض کر بیٹھتے تھے اور لارڈ جان اور میں ان دونوں کی گرمیٔ مباحثہ سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ وہ خاتون جو تھیں وہ اپنے شوہر کی آستین پر ہاتھ رکھے، اس فلسفی کی ہنکار کو ضبط میں رکھ رہی تھیں۔ حیات۔ ممات۔ قسمت۔ انجامِ انساں یہ وہ مضامینِ عالیہ تھے جن پر اس یاد رہنے والی ساعت میں بحث ہو رہی تھی۔ اور جس کی اہمیت یوں اور بھی بڑھ گئی تھی۔ کہ جیسے جیسے ہم کھانا کھاتے گئے میرے دماغ میں عجیب اور یکا یک ارتفاع محسوس ہونے لگا اور اعضا میں گدگدی سی پیدا ہوئی جس سے میں نے محسوس کیا کہ موجِ فنا آہستہ آہستہ اور بہت نرمی کے ساتھ ہمارے گرد اٹھ رہی ہے۔ ہماری ہر سانس عجیب و غریب قوتوں سے بھری ہوئی معلوم ہوتی تھی۔ تاہم ہمارے نفس خوش اور مطمئن تھے۔ اتنے میں آسٹن نے میز پر سگریٹ لا رکھے اور چلنے کو تھا کہ اس کے آقا نے کہا

"آسٹن!"

"جی حضور"

"میں تمہاری وفادارانہ خدمات کا شکریہ ادا کرتا ہوں"

اس پر ملازم کے گٹھیلے چہرے پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔

"حضور، میں نے تو اپنے فرائض انجام دیئے ہیں"

"آج میں دنیا کے خاتمے کی توقع کر رہا ہوں"

"بجا ہے، تو کب حضور؟"

"آسٹن! ابھی نہیں کہہ سکتا، شاید شام سے قبل"

"بہت اچھا حضور"

پنبہ دہن آسٹن نے سلام کیا، اور رخصت ہو گیا۔ سے لینجر نے ایک سگرٹ جلایا اور اپنی کرسی اپنی اہلیہ کے قریب کر کے ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور کہنے لگے

"جانِ من! تم کو معلوم ہے کہ اب صورتِ حالات کیا ہے۔ میں نے اپنے ان احباب کو سب کچھ سمجھا دیا ہے۔ تمہیں ڈر تو نہیں لگتا۔ کیوں؟"

"اس میں تکلیف تو نہ ہو گی!"

"نہیں تو، بس ایسی ہی جیسے دندان ساز کی خندہ انگیز گیس سے ہوتی ہے جب کبھی تم نے وہ گیس سونگھی۔ تم گویا عملاً مر چکیں"

"لیکن وہ تو بڑی لطف کی چیز ہے"

"ممکن ہے کہ موت بھی ایسی ہی ہو۔ بدن کی فرسودہ مشین اپنے سر اثر کو محفوظ نہیں رکھ سکتی۔ لیکن ہم جانتے ہیں۔ کہ خواب یا غفلت میں کیسی ذہنی لذت ہوتی ہے۔ ممکن ہے کہ فطرت کی جانب سے ایک خوشنما دروازہ تیار ہو۔ اور اس پر بہت سے جالیدار اور چمکتے پردے پڑے ہوں۔ تاکہ ہماری متحیر روحیں اس نئی زندگی میں داخل ہو سکیں۔ جب کبھی میں نے اصلیت کی تلاش کی ہے میں نے ہمیشہ حکمت و رافت اس کے اندر پائی ہے۔ اور اگر خوف زدہ انسان کو رافت و رحمت کی کبھی ضرورت ہوتی ہے تو وہ وہی وقت ہوتا ہے جبکہ وہ ایک

زندگی سے دوسری زندگی کا دشوار گذار راستہ طے کرتا ہے، نہیں سمرلی!
میں آپ کی مادہ پرستی کا قائل نہیں کیونکہ کم از کم میں اتنی بڑی چیز ہوں کہ میرا
انجام محض طبیعی اجزا یعنی ایک پیکٹ نمک اور تین ڈول پانی پر نہیں ہو سکتا
دیکھو، دیکھو" اور اب وہ سر پر دوہتڑ مارنے لگے،" ایک ایسی چیز ہے
جو مادہ کو استعمال کرتی ہے لیکن خود مادے سے نہیں ہے۔ ایسی چیز جو موت کو
فنا کر سکتی ہے لیکن جس پر خود فنا کبھی نہیں طاری ہوتی"

"موت کا ذکر آیا تو میں کہونگا" لارڈ جان نے کہا" کہ میں ایک عیسائی
ہوں لیکن مجھے معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے آبا و اجداد جو اپنی قبروں میں تیر کمان اور
نیزوں کے ساتھ دفن کئے جاتے تھے تو یہ بالکل ایک فطرتی بات تھی کہ گویا وہ
ایسی ہی زندگی بسر کریں گے جیسی کہ اب تک بسر کی تھی، میں سمجھتا ہوں" اب انہوں
نے ذرا شرما کر میز کے چاروں طرف ایک نظر دوڑائی" کہ شاید مجھے بھی یہ زیادہ
اچھا معلوم ہو گا اگر میرے ساتھ بھی میری ۴۵۰ نمبر والی بندوق اور ریفل
اور چند کارتوس دفن کئے جائیں۔ بیشک یہ ایک احمقانہ خیال ہے لیکن اس
وقت یہی خیال ہے۔ کہئے پروفیسر صاحب! آپ کو یہ خیال کیسا معلوم ہوتا ہے؟"

"ہوں!" سمرلی نے کہا" چونکہ آپ میری رائے دریافت کرتے ہیں۔ تو
میں کہونگا کہ اس کے معنی تو عہدِ حجری یا اس کے پیشتر کے عہد کی طرف
رجعتِ قہقری ہوئے۔ میں خود بیسویں صدی کا آدمی ہوں اور ایک معقول مہذب
آدمی کی طرح مرنا چاہتا ہوں۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ آپ لوگوں سے زیادہ مجھے
مرنے کا خوف ہے یا نہیں۔ کیونکہ میں ایک بڈھا آدمی ہوں۔ اور چاہے جو کچھ

ہو۔ میری عمر اب کچھ زیادہ نہیں رہی ہے لیکن میری طبیعت اس سے اِبا کرتی ہے کہ میں ہاتھ پر ہاتھ رکھے بکری کی طرح قصاب کا منتظر بیٹھا رہوں۔ ہاں تو چے لنجر صاحب! کیا آپ کو اس کا قطعی یقین ہے کہ ہم کچھ نہیں کر سکتے؟"

"بچانے کیلئے! ہاں کچھ نہیں" چے لنجر نے کہا "لیکن اپنی زندگی کو چند گھنٹے بڑھا لیجانا تاکہ مبتلا ہونے سے پہلے ہم اس سانحہ عظیم کے انجام کو دیکھ سکیں یہ ممکن ہے کہ میری طاقت کے اندر ہو۔ میں نے چند تدابیر اختیار کی ہیں۔۔۔"

"آکسیجن؟"

"بالکل ٹھیک۔ ہاں! آکسیجن"

"لیکن اثیر کی سمیت کے مقابلے میں آکسیجن کیا کام دیگی۔ جو فرق کسی ڈھیلے اور گیس میں ہے ویسا ہی آکسیجن اور اثیر میں سمجھنا چاہئے، یہ دونوں مادے کی مختلف سطحیں ہیں یہ ایک دوسرے سے متصادم نہیں ہوسکتیں۔ نہیں چے لنجر صاحب! صحیح صحیح بتلائیے کیا واقعی آپ اس تدبیر کے حامی ہیں؟"

"میرے مہربان سمرلی صاحب! یہ اثیری سمیت یقیناً مادی اثرات سے متاثر ہوتی ہے جسطرح یہ وبا پھیلی ہے اور جس انداز سے یہ چلی ہے اس سے ہم کو یہ پتہ چلتا ہے ہم اسکی توقع نہیں کر سکتے تھے۔ لیکن ہے یہ امر واقعہ۔ پس میری یہ قطعی رائے ہے کہ آکسیجن جیسی گیس، جو جسم کی حرارت غریزی اور طاقت مقاومت کو بڑھاتی ہے۔ وہ، جس چیز کو آپ دھتورہ کہتے ہیں۔ اس کے عمل میں تعویق پیدا کرنے کیلئے بہت موزوں معلوم ہوتی ہے ممکن ہے کہ میں غلطی پر ہوں۔ لیکن مجھے اپنے استدلال کی صحت پر کامل اعتماد ہے۔

"نہیں" لارڈ جان نے کہا "اگر آپ کا مطلب یہ ہے کہ ہم بوتل سے دودھ پیتے بچوں کیطرح ان نلیوں کو استعمال کریں، تو بندہ تو یہ کرتا نہیں۔"

"اس کی کوئی ضرورت نہوگی" چے لنجر نے جواب دیا۔ "ہم نے سب انتظامات کرلئے ہیں۔ اس کیلئے آپ لوگ میری اہلیہ کا ممنون ہونا چاہیئے۔ یعنی یہ کہ انکی خلوتگاہ جہانتک ممکن ہوسکا ہوا بند کر دیگئی ہے۔ ٹاٹ اور روغنی کاغذ۔۔۔"

"بپناہ بخدا" ۔ چے لنجر صاحب کیا آپکا یہ مطلب ہے، کہ آپ روغنی کاغذ سے ایثر کو روک سکتے ہیں؟"

"مہربان من! آپ اس نکتہ تک پہنچتے پہنچتے رہ گئے۔ یہ اسقدر تکلیف جو ہم نے اٹھائی۔ تو وہ ایثر کو روکنے کیلئے نہ تھی بلکہ آکسیجن کو اندر رکھنا مقصود ہے۔ مجھے امید ہے کہ اگر ہماری یہ فضا ایک خاص نقطہ تک بر آکسائی[۱] رہے تو ہم اپنے حواس قایم رکھ سکتے ہیں۔ میرے پاس گیس کے دو پیپے تھے۔ اور تین آپ لوگ لے آئے۔ اسپر بھی یہ بہت نہوئے۔ تاہم نہونے سے بہتر ہے۔"

"یہ کب تک کام دیں گے؟"

"مجھے مطلق علم نہیں۔ ہم اسوقت تک ان کو نہ کھولینگے جبتک ہماری حالت ناقابل برداشت نہوجاتے۔ اسوقت حسب ضرورت ہم گیس تھوڑی تھوڑی نکالینگے۔ ممکن ہے کہ اس سے ہم کو چند گھنٹے ملیں یا چند دن ملجائیں کہ ہم ایک جھلسی ہوئی دنیا کو دیکھ سکیں۔ خود ہمارا انجام اسوقت تک رکا

[۱] یعنی جس میں آکسیجن کی مقدار زیادہ رہے۔

رہیگا - اور غالباً ہم پانچوں ہی کو یہ عجیب و غریب تجربہ ہو گا - کہ ملک عدم کا سفر سب سے بعد میں ہم ہی کرینگے - اب ذرا پیپوں میں تو میری مدد کیجئے مجھے تو اب یہ فضا بہت کچھ تکلیف دہ معلوم ہونے لگی ہے"

تیسرا باب

غرق

جس کمرہ کی قسمت میں ہمارے نہ بھولنے والے تجربہ کا منظر بننا مقدر تھا وہ ایک دلکش زنانہ خلوتگاہ تھا کوئی پندرہ یا سولہ فٹ مربع تھا - اس کے ایک کنارے پر سرخ مخمل کا پردہ پڑا تھا - جس کے اس طرف پروفیسر صاحب کا لباس خانہ تھا - اور اس کے اُسطرف ایک بڑی خوابگاہ تھی وہ پردہ اب بھی پڑا ہوا تھا - لیکن ہمارے تجربہ کی اغراض کیلئے خلوتگاہ اور لباس خانہ دونوں گویا ایک ہی کمرہ تھے ' ایک دروازہ اور ایک کھڑکی روغنی کاغذ سے بند کر دیئے گئے تھے - گویا عملاً انکا تیغہ کر دیا گیا تھا - دوسرے دروازے کے اوپر جو زینے پر کھلتا تھا - ایک روشندان تھا جس میں رسی بندھی ہوئی تھی - ہوائی شدید ضرورت کے وقت اس رسی کو کھینچکر اس روشندان کو کھول سکتے تھے - ہر کونے میں ایک ایک ناند تھی جس میں بڑی بڑی جھاڑیاں تھیں -

جب پانچوں لوہے کے پیپے برابر دیوار کے پاس رکھدیئے گئے تو چیلنجر

نے چاروں طرف ایک نگاہ ڈالی اور کہنے لگے :-

" اپنی آکسیجن کو بلا ضرورت ضائع کئے بغیر کاربن ڈائی آکسائڈ کی کثیر مقدار کو دور کرنا ایک نازک اور اہم مسئلہ ہے اگر مجھے تیاری کا وقت زیادہ ملتا تو اپنے ذہن کی تمام قوت اس مسئلہ کے حل پر مرکوز کر دیتا - لیکن چونکہ ایسا نہیں ہو سکا اسلئے ہم سے جتنا بھی ہو سکے اتنا ہی کرنا چاہیئے ، یہ جھاڑیاں کچھ : کچھ کام دینگی - آکسیجن کے دو پیپے ذرا سے اشارے میں کھولے جانے کیلئے تیار ہیں اسلئے ہم پر بلا جبری میں نہیں آسکتی - تاہم کمرے سے زیادہ دور نہیں جانا چاہیئے - کیونکہ ممکن ہے بلا ناگہانی اور شدید ہو "

ایک کھڑکی اور تھی جو ذرا چوڑی اور نیچی تھی - اور جو ایک چھجے پر کھلتی تھی اسکے سامنے کا منظر وہی تھا جسکی تعریف ہم مطالعہ خانہ میں بیٹھ کر کر چکے تھے میں نے باہر دیکھا تو مجھے کہیں بھی ابتری کی کوئی علامت معلوم نہ ہوئی - میری آنکھوں کے نیچے ایک سڑک تھی جو پہاڑی کے پہلو پر مڑ گئی تھی - پہاڑی پر اسٹیشن سے آتی ایک بہل چڑھ رہی تھی جو قبل تاریخی عہد کی ایک یادگار تھی اور جو اب بھی ہمارے بعض دیہاتوں ہی میں پائی جاتی ہے - اس سے نیچے ایک انّا دکھائی دی - جو ایک ہاتھ سے ایک بچہ گاڑی چلا رہی تھی - دوسرے ہاتھ سے ایک بچہ کو پکڑے ہوئے تھی - جھونپڑوں سے جو نیلا نیلا دھواں نکل رہا تھا اس سے وہ تمام منظر زار منتظم اور تسکین دہ معلوم ہوتا تھا - نہ تو اس گنبدِ نیلگوں میں اور نہ اس اُجلی زمین پر کہیں کوئی علامت اس بلا عظیم کی معلوم ہوتی تھی - کھیتوں میں فصل کاٹنے والے پھر جا پہنچے اور گالف باز

دو دو اور چار چار کر کے اب بھی حلقوں کے گرد پھر رہے تھی، میرے دماغ میں خود ایک عجیب تموج معلوم ہوتا تھا اور میرے پٹھے اتنے تنے ہوئے تھے کہ مجھے ان لوگوں کی بےحسی پر بہت تعجب ہوا چنانچہ ان حلقوں کی طرف اشارہ کر کے میں نے کہا :-

"ان لوگوں پر تو کوئی مضر اثرات معلوم نہیں ہوتے"

"آپ کبھی گالف کھیلے ہیں ؟" لارڈ جان نے پوچھا۔

"نہیں۔ میں تو نہیں کھیلا"

"تو جناب آپ جب گالف کھیلنا سیکھ لینگے، اسوقت آپ کو معلوم ہوگا کہ ایک مرتبہ چکر شروع کر دینے کے بعد ایک شاطر گالف باز کو اس سے باز رکھنا بہت ہی دشوار امر ہے لیجئے وہ ٹیلیفون کی گھنٹی پھر بجی"

کھانے کے درمیان اور بعد میں بھی وقتاً فوقتاً وہ گھنٹی پروفیسر صاحب کو بلاتی رہتی تھی۔ اور ان تک جو خبر پہنچتی وہ ہم کو چند مختصر سے جملوں میں سنا دیتے۔ دنیا کی تاریخ میں ایسی ہولناک خبریں کبھی حوالۂ قلم نہیں ہوئیں یہ بلائے بے درماں جنوب سے چڑھتی ہوئی موجِ فنا کی طرح بڑھتی چلی آتی تھی، مصر پر یہ سمیت پوری طرح پھیل چکی تھی۔ اور اب کل مصر بالکل بیہوش تھا۔ اسپین اور پرتگال میں ایک زبردست جوش اٹھا جسمیں مادری پرست اور نراجی خوب لڑے، لیکن اب وہ بھی بالکل خاموش تھے، جنوبی امریکہ سے بحری تار ہی آنا بند ہو گئے۔ شمالی امریکہ میں، جنوبی ریاستوں میں خوب نسلی ہنگامے ہوئے اور بالآخر وہ بھی اس سمیت سے متاثر ہو گئیں، میری لینڈ

کے شمال میں یہ اثر نمایاں نہ تھا اور کناڈا میں تو ابھی پہنچا ہی نہ تھا بلجیئم
ہالینڈ، اور ڈنمارک باری باری سے متاثر ہوئے۔ علم کے مرکزوں،
کیمیا دانوں، مشہور عالم ڈاکٹروں کے پاس مایوسانہ خبریں آتی تھیں اور
ان کی رائے طلب کیجاتی تھی۔ ہیئت دانوں پر بھی سوالات کی یورش تھی۔
لیکن ہو کچھ نہیں سکتا تھا، یہ بلا عالمگیر تھی اور ہمارے انسانی علم یا قدرت
کے باہر تھی، یہ موت تھی بغیر تکلیف کے لیکن یقینی۔ اور پھر جوان، بوڑھے
کمزور، توانا، امیر، غریب کسی کی تمیز نہ تھی۔ کسی کیلئے بھی کوئی مفر نہ تھا۔ یہ وہ
خبریں تھیں جو پریشان اور مضطر پیاموں کے ذریعہ ٹیلیفون نے ہم تک
پہنچائیں۔ بڑے بڑے شہروں کو اپنے انجام کا علم اب ہو گیا تھا۔ اور
جہاں تک ہمیں معلوم ہو سکا وہ وقار اور استرضائے کے ساتھ اسکو برداشت
کرنے کیلئے تیار ہو رہے تھے۔ لیکن ہمارے سامنے گالف باز اور مزدور
اس طرح اچھل کود رہے تھے۔ جیسے کوئی بکری ذبح سے پہلے اچھلے کودے
مجھے تو اس پر نہایت حیرت تھی۔ لیکن ہاں ان کو معلوم بھی کیسے ہو سکتا
تھا۔ وہ بلا تو ہم پر یک قدم آپہنچی تھی۔ صبح کے اخباروں میں تو کوئی
خبر خطرہ سے آگاہ کرنے والی نہ تھی۔ اور اب سہ پہر کے تین بجے کا
عمل تھا۔ لیکن اب جو ہم نے نظر ڈالی تو معلوم ہوا کہ کسی نے کچھ خبر
پہنچائی۔ کیونکہ اب کھیت کاٹنے والے کھیتوں سے بھاگ رہے تھے
بعض گالف باز اپنے انجمن خانہ کی طرف لوٹ رہے تھے۔ وہ اسطرح
بھاگ رہے تھے۔ کہ گویا بارش سے بچ رہے ہیں۔ ان کے

گالفی[۱] اُن کے پیچھے پیچھے تھی۔ باقی اور جو تھے وہ بدستور کھیل میں مصروف تھے وہ آنا بھی پلٹ چکی تھی۔ اور اپنی بچہ گاڑی تیزی سے پہاڑی پر چلا رہی تھی میں نے دیکھا کہ اس کا ہاتھ ماتھے پر رکھا ہوا تھا۔ گاڑی رک گئی تھی اور تھکا ماندہ گھوڑا گردن ڈالے سستا رہا تھا، اوپر دیکھا تو مطلع بالکل صاف نظر آیا صرف کہیں کہیں روئی کے گالوں کی طرح ہلکے ہلکے ابر دکھائی دیئے۔ اگر واقعی نسل انسانی کو آج ختم ہونا ہی تو اس میں شک نہیں کہ بستر مرگ بہت شاندار تھا۔ فطرت کی یہی خوشنمائی اور دلفریبی تھی جس کی وجہ سے یہ ہولناک اور عالمگیر تباہی اور بھی ہیبتناک اور قابل افسوس معلوم ہوتی تھی۔ معلوم ہوا کہ یہ دُنیا واقعی ایک جنت تھی جس سے ہم یوں عاجلانہ اور بیرحمانہ نکالے گئے۔

لیکن میں ذکر کر چکا ہوں کہ ٹیلیفون کی گھنٹی ایک مرتبہ پھر بجی۔ یکبارگی چیلنجر کی زبردست آواز ہال سے گونجی

"مسٹر مےلون! آپ کی ضرورت ہی"

میں لپک کے ٹیلیفون تک پہنچا۔ لندن سے میک آرڈل کی آواز آرہی تھی۔ وہ اپنے مانوس لہجہ میں چلانے لگے:۔

"آپ ہیں مسٹر مےلون! اجی جناب، یہاں لندن میں تو حشر برپا ہو گیا خدا کیلئے پروفیسر چیلنجر سے دریافت کیجئے"

"وہ کوئی تدبیر نہیں بتا سکتے" میں نے جواب دیا "اُن کی رائے میں یہ بلا عالمگیر اور یقینی ہی۔ ہمارے پاس یہاں تھوڑی سی آکسیجن ہی لیکن وہ

[۱] یعنی وہ چھوکرے جو گیند وغیرہ اٹھاتے ہیں۔

ہمارے انجام کو صرف چند گھنٹوں کیلئے روک سکتی ہے"

"آکسیجن!" درد بھری آواز نے کہا "اب تو لانے کا بھی وقت نہیں رہا، جب سے آپ صبح سے گئے ہیں۔ اسوقت سے دفتر تو شیطان خانہ بنا ہوا ہے۔ آدھا عملہ تو اب بیہوش ہے۔ مجھے بھی گرانی محسوس ہو رہی ہے۔ اپنی کھڑکی سے میں لوگوں کی لاشوں پر لاشیں فلیٹ اسٹریٹ میں پڑی دیکھ رہا ہوں ساری آمد و رفت بند ہے۔ تازہ ترین تار جو آئے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے، کہ ساری دنیا ــــ"

ان کی آواز کمزور پڑتی جاتی تھی اور اب یکایک رک گئی، ایک لمحہ بعد ٹیلیفون سے مجھے گرنے کی سی آواز آئی جیسے ان کا سر میز پر گر پڑا ہو چنانچہ میں نے چلا کر پوچھا

"سر میک آرڈل! سر میک آرڈل!!"

"صدائے برنخواست" میں نے ٹیلیفون کا سمعدان رکھا۔ تو میں نے سمجھ لیا کہ اب پھر کبھی ان کی آواز سنائی نہ دیگی۔

اسی وقت جیسے ہی کہ میں نے ایک قدم پیچھے ہٹایا۔ وہ بلا ہم پر بھی مسلط ہو گئی۔ معلوم ہوتا تھا کہ ہم کندھوں کندھوں تک پانی میں نہا رہے ہیں۔ کہ یکایک ایک زبردست موج آئی اور اس نے ہم کو غرق کر دیا۔ معلوم ہوتا تھا کسی نے میرا گلا پکڑ لیا ہے اور آہستہ آہستہ زندگی کا خاتمہ کر رہا ہے۔ مجھے سینے پر بڑا بوجھ محسوس ہوتا تھا۔ سر بند معلوم ہوتا تھا۔ کان زور سے بجنے لگے تھے۔ اور آنکھوں کے سامنے

چمک سی پیدا ہوتی تھی۔ میں لڑکھڑا کے زینہ کے کٹہرے پر گرا۔ اسی وقت زخمی بھینسے کیطرح سانس لیتے اور بھاگتے ہوئے چے لنجر صاحب میرے پاس سے گزرے۔ اسوقت انکی صورت بہت مہیب تھی۔ چہرہ سرخ تھا آنکھیں دبی ہوئی اور بال کھڑے ہوئے۔ ان کی اہلیہ بظاہر بیہوش ان کے کندھوں پر لٹکی ہوئی تھیں، اور وہ افتاں و خیزاں زینے پر چڑھتے چلے جاتے تھے اور محض اپنی قوت ارادی کی بدولت خود کو اور اپنی اہلیہ کو اس مسموم فضا سے اس عارضی جائے پناہ تک لئے جاتے تھے انکی یہ سعی دیکھکر میں زینوں پر کٹہرے کو پکڑتا۔ لڑکھڑاتا چڑھتا چلا جاتا تھا۔ یہانتک کہ اوپر پہنچکر میں منہ کے بل بیہوش گر پڑا۔ لارڈ جان کی فولادی انگلیاں میرے کوٹ کے کالر کو پکڑے ہوئے تھیں اور ایک لمحہ بعد فرش پر لٹادیا گیا۔ میں نہ تو بول سکتا تھا اور نہ حرکت کرسکتا تھا۔ وہ خاتون میرے برابر پڑی ہوئی تھیں اور سمرلی کھڑکی کے پاس کرسی پر گٹھڑی بنے پڑے تھے۔ انکا کالر ان کے گھٹنوں پر آرہا تھا۔ خواب کیطرح میں نے دیکھا کہ چے لنجر ایک زبردست کیڑے کیطرح رینگ رہے ہیں۔ لیکن ایک لمحہ بعد مجھے نکلتی ہوتی آکسیجن کی آواز سنائی دی۔ چے لنجر نے دو تین بڑی زبردست سانسیں لیں۔ انکی پھیپھڑوں میں گیس کے اندر جانے پر خوب زور زور سے آواز نکل رہی تھی بالآخر وہ خوش ہوکر چلانے لگے۔

"دیکھو اس نے خوب کام دیا میرا استدلال حق بجانب تھا"

اب وہ پھر چاق و چوبند ہوکر اپنے پاؤں پر کھڑے ہوگئے۔ ایک نلی لیکر وہ

جھپٹ کے اپنی اہلیہ کے پاس گئے، اور ان کے منہ کے پاس لیجا کر کھول دی
تھوڑی دیر میں وہ کسمسائیں، حرکت کی اور پھر اٹھ بیٹھیں۔ اس کے بعد وہ میرے
پاس آئے، اور پھر میں نے اپنی شریانوں میں زندگی نفوذ کرتے محسوس
کی۔ میں تو یہ سمجھ چکا تھا۔ کہ یہ محض عارضی وقفہ ہے۔ تاہم اگرچہ اس کی قدرو
قیمت سے ہم نے بے پروائی برتی۔ لیکن اس زندگی کی ہر ساعت اب بے بہا
معلوم ہونے لگی۔ مجھے اس سے پیشتر ایسی خوشی کبھی نہیں ہوئی تھی جیسی کہ اس
دوبارہ زندگی پانے پر۔ میرے سینے سے بوجھ اتر گیا، سر ہلکا ہو گیا۔ اور مجھ پر
سکون اور اطمینان کی راحت بخش کیفیت طاری ہو گئی۔ میں پڑا پڑا دیکھا کیا
کہ سمر لی بھی اسی اکسیر سے زندہ ہوئے۔ اور اب لارڈ جان کی باری
آئی۔ وہ اب اٹھ کھڑے ہوئے اور میرے اٹھانے کیلئے ہاتھ بڑھایا
ادھر چیلنجر نے اپنی اہلیہ کو اٹھایا اور کوچ پر بٹھا دیا۔ وہ انکا ہاتھ پکڑ
کر کہنے لگیں :۔

"پیارے جارج! مجھے افسوس ہے کہ تم نے مجھے دوبارہ زندہ کیا۔
واقعی بقول تمہاری موت کے دروازے پر خوبصورت چمکدار پردے پڑے
ہوئے ہیں۔ کیونکہ جب ایک مرتبہ وہ گھٹن جاتی رہی تو پھر وہ سکون پیدا
ہوا کہ بیان سے باہر ہے۔ اب تم مجھے دوبارہ کیوں گھسیٹ لائے"

"کیونکہ میری یہ تمنا ہے کہ اس سفر کو ہم تم دونوں طے کریں۔ ہم اتنے
برسوں سے ایک دوسرے کیساتھ رہے ہیں۔ اور اگر ساعت عظیم
پر ہمارا ساتھ چھوٹ جائے، تو بڑے صدمہ کی بات ہوگی"

ان کی اس نرم آواز میں ایک لمحہ بھر کیلئے مجھے ایک نئے چےلنجر کی جھلک دکھائی دی جو اسپ شیخی باز، ہرزہ گو اور منہ پھٹ شخص سے بالکل مختلف تھا جس نے اپنے ابنائے عصر کو متحیر اور ناراض کر رکھا تھا۔ اب موت کے سایہ میں اصلی چےلنجر نمودار ہوا یعنی وہ چےلنجر جس نے ایک عورت کے دل پر قبضہ کر رکھا تھا۔ دفعتہً ان کی یہ کیفیت بدلگئی اور وہ پھر ہمارے زبردست قائد بن گئے۔ ذرا تعلی کے انداز میں اور خوش ہو کر کہنے لگے۔

"بنی نوع انسان میں سے صرف میں ہی اس بلائے عظیم کو سمجھ سکا اور اسکی پیشین گوئی کر سکا۔ میرے مہربان سمرلی! مجھے قوی امید ہے کہ اب طیف کے خطوط کے اندر اس کے متعلق آپ کے جملہ شکوک رفع ہو گئے ہونگے اور اب آپ میرے ٹائمز والے خط کو بے بنیاد قرار نہ دینگے۔"

اس مرتبہ تو ہمارے جھگڑالو ساتھی اس للکار پر خاموش رہے وہ بیٹھے ہوئے ہانپ رہے تھے اور اپنے لمبے اور پتلے اعضاء اِدھر اُدھر پھیلا رہے تھے۔ تاکہ اسکا یقین ہو جائے کہ ابھی فی الواقع اس سیارے پر موجود ہیں۔ چےلنجر بڑھکے آکسیجن کے پیپے کے پاس گئے اور وہ جو زور سے آواز نکل رہی تھی اب دھیمی پڑگئی۔ اب وہ کہنے لگے۔

"گیس کی رسد کو ہمیں قابو میں رکھنا چاہئے۔ اس کمرے کی فضا اب بہت بدل گئی ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ ہم میں سے کسی کو کوئی تکلیف نہیں محسوس ہو رہی ہے۔ ہم تجربہ کر کے ہی معلوم کر سکتے ہیں۔ کہ اس سمیت کو

دور کرنے کیلئے ہوا میں کتنی گیس چھوڑنی چاہیئے۔ دیکھیں یہ بات کیسی رہتی ہے"
کم و بیش پانچ منٹ تک ہم بالکل خاموش اپنی تنفس کو دیکھتے رہے
مجھے یہ محسوس ہو چلا تھا کہ پھر پیشانی پر تنگی آ چلی ہے۔ ادھر مسز چے لینجر
چلائیں کہ انہیں غش آیا۔ ان کے شوہر نے اور گیس چھوڑ دی۔ اور
کہنے لگے۔

"زمانہ قبل العلم میں ہر آبدوز کشتی میں ایک سفید چوہا ضرور ہوتا تھا کیونکہ
اسکے اعضا فضا کی سمیت کو ملاحوں سے پہلے محسوس کر لیتے تھی۔ جانِ من!
تم گویا ہمارے لئے بمنزلہ اسی چوہے کے ہو، اب میں نے گیس زیادہ کر
دی ہے۔ تو تم بہتر ہو گئیں"۔

"ہاں، میں بہتر ہوں"

"غالباً ہم صحیح آمیزی پر پہنچ گئے۔ جب ہم کو صحت کے ساتھ یہ معلوم
ہو جائیگا کہ کم سے کم کتنی مقدار ضروری ہے تو پھر ہم یہ اندازہ لگا سکیں گے
کہ یہ مقدار کب تک کام دیگی۔ لیکن بدقسمتی سے اپنے کو دوبارہ زندہ کرتے
وقت ہم نے پہلے پیپہ کی بہت سی گیس ختم کر دی"۔

"تو کیا حرج ہوا؟" لارڈ جان نے کہا جو کھڑکی کے پاس جیب
میں ہاتھ ڈالے کھڑے تھے۔ "اگر ہم کو جانا ہی ہے تو اس اہتمام سے
کیا فائدہ؟ اب تو غالباً ہمارے لئے کوئی امید باقی نہیں رہی"۔
چے لینجر ہنسے اور سر ہلایا۔

"ہاں تو کیا آپ یہ نہیں دیکھتے کہ دھکا دیئے جانے کے مقابلہ میں

خودکودنے میں زیادہ وقار ہے؟ اگریوں ہی آپ کی مرضی ہے تو چلئے دُعا مانگئے گیس بند کر دیجئے اور کھڑکی کھول دیجئے۔"

"ہاں کیوں نہیں" خاتون نے بے جگری سے کہا۔ "بے شک جارج! لارڈ جان ٹھیک کہتے ہیں اور اسی میں بہتری معلوم ہوتی ہے۔"

"مجھے اسپر سخت اعتراض ہے" سمرلی نے شکایت آمیز لہجے میں کہا۔ جب ہم کو مرنا ہی ہے تو بیشک ہم کو مرجانا چاہیئے۔ لیکن عمداً موت کا اہتمام کرنا میرے نزدیک حماقت اور فضول سی بات ہے"

"ہمارے نوجوان دوست کی کیا رائے ہے؟" چےلنجر نے پوچھا

"میری رائے ہے کہ ہم اسے انجام تک پہنچائیں۔"

"میری بھی یہی رائے ہے"

"تو جارج! اگر تم بھی یہی کہتے ہو تو میری بھی یہی رائے ہے" خاتون نے کہا

"اونہہ! میں نے محض ایک دلیل کے طور پر کہا تھا" لارڈ جان نے کہا "اگر آپ سب لوگ اسکو انجام تک پہنچانا چاہتے ہیں۔ تو میں بھی آپ کے ساتھ ہوں۔ ہے یہ بہت دلچسپ۔ اسمیں کوئی شک نہیں۔ مجھے بھی اپنی عمر میں بہت سے حادثوں سے سابقہ پڑا اور دوسروں کیطرح بہت سے موقع ہیاج اور تہیج کے آئے، لیکن میں سمجھتا ہوں۔ کہ یہ آخری موقع ہے"

"تسلسل حیات کو مان لیں تو" چےلنجر نے کہا "دعوی بلادلیل ہے"

سمرلی نے بات کاٹکر کہا۔

چے لینجر نے اس کا جواب محض خاموشی سے دیا، اور پھر اپنے تحکمانہ لہجے میں کہنے لگے:۔

"تسلسل حیات کو مان لیں تو ہم میں سے کوئی یہ نہیں کہہ سکتا۔ کہ عالم ارواح سے عالم اجسام کے دیکھنے کا موقع ملے یا نہ ملے بطی الفہم سے بطی الفہم شخص پر بھی یہ روشن ہوگا۔ اب انہوں نے سمرلی پر ایک نظر ڈالی] کہ جبتک ہم خود مادی ہیں اسوقت تک ہم جسلہ مادی مظاہر کے متعلق کوئی مشاہدہ کر سکتے اور کوئی رائے قائم کر سکتے ہیں۔ پس ان ہی چند گھنٹوں تک زندہ رہ کر ہم کو یہ امید ہو سکتی ہے کہ آنیوالی زندگی میں ہم اس دنیا بلکہ کل کائنات کے عجیب ترین واقعہ کی یاد اپنے ساتھ لیجا سکینگے۔ میرے نزدیک تو ایسے محیّر العقول تجربے میں سے ایک دقیقہ بھی کم ہو جانا نہایت افسوسناک ہوگا"

"میں بھی بعینہ یہی رائے رکھتا ہوں"

"بغیر اختلاف کے منظور" لارڈ جان نے کہا "وہ آپ کا موٹربان تو بیچارہ نیچے صحن میں اپنا آخری سفر ختم کر چکا، اب باہر نکل کے اس کو یہاں لانے سے کیا فائدہ"

"حماقت محض ہے" سمرلی نے کہا

"ہاں میرے نزدیک بھی حماقت ہوگی" لارڈ جان نے کہا "اس سے اسکو تو مدد پہنچیگی نہیں۔ البتہ ہماری گیس ساری گھر میں پھیل جائیگی۔ اگرچہ

ہم زندہ واپس بھی آسکیں۔ میری بات سنئے تو درختوں کے نیچے ان چھوٹی چھوٹی چڑیوں کو دیکھئے۔"

ہم نے اس لمبی اور نیچی کھڑکی کے پاس چار کرسیاں گھسیٹیں۔ وہ خاتون آنکھ بند کیئے ابھی تک کوچ پر پڑی تھیں۔ مجھے یاد ہے کہ یہ عجیب اور انوکھا خیال میرے ذہن میں پیدا ہوا۔ ممکن ہے کہ جس ہوا میں ہم سانس لے رہے تھے۔ اسکی غلاظت نے یہ وہم پیدا کیا ہو، کہ ہم دنیا کے ڈراما کا آخری ایکٹ دیکھنے کیلئے تماشاگاہ کی اگلی چار نشستوں پر بیٹھے ہیں۔

ہمارے سامنے ہی، ہماری آنکھوں کے نیچے وہ چھوٹا صحن تھا جس میں آدھی صاف موٹر کھڑی تھی۔ موٹربان آسٹن کو آخری نوٹس مل چکا تھا۔ کیونکہ وہ پہیہ کے پاس چاروں شانے چت پڑا تھا۔ اسکی پیشانی پر بڑا داغ تھا، جو پائیدان یا پہیئے کے ڈھکنے پر گرنے کی وجہ سے پڑگیا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ابتک اس چرمی نل کی ٹونٹی تھی جس سے وہ اپنی مشین صاف کررہا تھا۔ صحن کے کونے میں دو چھوٹے چھوٹے درخت تھے۔ جن کے نیچے گچھے دار پروں کے گچھے سے پڑے تھے جنمیں سے ننھے ننھے پیر نکلے ہوئے تھے۔ موت کی تلوار نے اپنی کاٹ میں چھوٹے بڑے کسی کو نہ چھوڑا تھا۔

صحن کی دیوار کے اس پار ہم نے وہ خمدار سڑک دیکھی جو اسٹیشن تک جاتی تھی۔ جن کھیت کاٹنے والوں کو ہم نے کھیتوں سے بھاگتے دیکھا تھا۔ وہ تتر بتر ایکدوسرے پر پڑے ہوئے تھے۔ اس کے آگے وہ دایہ پڑی ہوئی تھی، جسکے سر اور شانے گھاس دار سڑک پر پڑے ہوئے تھے، اس نے گاڑی

میں سے بچہ کو نکالکر ہاتھوں میں لیا ہی تھا۔ کہ وہ بیجان بنڈل بن کر رہ گیا۔ اس کے پیچھے ہی سڑک پر ایک چھوٹا سا داغ نظر آتا تھا۔ جس سے معلوم ہوتا تھا کہ بچہ کہاں پڑا ہی۔ ہم سے آور نزدیک تر گاڑی کا وہ مردہ گھوڑا گاڑی کے ڈنڈوں میں اٹکا ہوا تھا۔ وہ بڈھا گاڑیبان کوچ بکس پر اسطرح لٹکا ہوا تھا۔ کہ گویا بھوچ کاگ ہی۔ کھڑکی سے ہم کو گاڑی کے اندر ایک نوجوان بیٹھا معلوم ہوتا تھا۔ دروازہ کھلا ہوا تھا اور اسکا ہاتھ دستہ پر تھا گویا کہ وہ آخری وقت اکودنے والا تھا۔ بیچ رستے پر گالف کے حلقے تھی جسطرح صبح کے وقت جگہ جگہ گالف باز نظر آتے تھی اب بھی دکھائی دیتے تھی۔ لیکن اب گھاس پر بیجان پڑے ہوئے تھی۔ ایک سبزہ زار پر تو آٹھ لاشیں پڑی ہوئی تھیں جہاں چار چار کی دو ٹولیاں مع اپنے گالفیوں کے اخیر تک کھیلتے رہی تھے۔ اس نیلگوں گنبد پر کوئی چڑیا اڑتی دکھائی دیتی تھی۔ اور نہ ہمارے سامنے والے میدان پر کوئی آدمی یا جانور چلتا نظر آتا تھا۔ شام کے وقت سورج تو اپنی روشنی میدان پر ڈال رہا تھا لیکن عالمگیر موت کی خاموشی اور بے حرکتی اس پر چھائی ہوئی تھی، وہ موت جس میں ہم اسقدر جلد شریک ہونیوالے تھی۔ فی الوقت کھڑکی کا وہ پتلا شیشہ جو مسموم اثیر کو دفع کرنیوالی زائد آکسیجن کو روکے ہوئے تھا، ہم کو اپنی نوع کے انجام سے بچائے ہوئے تھا۔ چند گھنٹوں کیلئے ایک شخص کے علم اور پیش بینی نے اس صحرائے فنا میں ہمارے نخلستانِ حیات کو بچا لیا تھا اور ہم کو عام مصیبت میں گرفتار ہونے سے روک لیا تھا۔ لیکن بالآخر ہماری گیس کم ہوتی جائیگی یہانتک کہ ہم بھی اس خوشرنگ خلوتخانہ کے

فرش پر پڑے سسکیاں لیںنگے اور اسطرح کُل نسل انسانی اور تمام حیاتِ ارضی کا پورا پورا خاتمہ ہوجائیگا - ایک عرصہ تک ہم پر جو کیفیت طاری تھی اس میں قال کی گنجائش نہ تھی اور ہم بیٹھے بربادیٔ عالم کا نقشہ دیکھتے رہے۔

بالآخر پے لنجر نے جب درختوں پر سے دھؤاں اٹھتے دیکھا تو کہنے لگی "وہ دیکھئے ایک مکان میں آگ لگ گئی - میرے خیال میں ایسے مکان بہت سی ہونگے بلکہ میں سمجھتا ہوں کہ شہر کے شہر نذرِ آتش ہو جائینگے - کیونکہ آپ سوچئے تو، کہ کتنے آدمی ہاتھ میں روشنیاں لئے گرے ہوں گے۔ نفس جلنا ہی اس امر کی دلیل ہے کہ کرۂ ہوا میں آکسیجن کا تناسب طبعی ہے - پس معلوم ہوا کہ نقص اثیر ہی میں واقع ہے - وہ دیکھئے کروبرا ہل پر اور آگ لگی - یہ گالف کا انجمن خانہ معلوم ہوتا ہے - وہ دیکھئے گرجا کا گھڑیال گھنٹے بجا رہا ہے - یہ امر ہمارے فلسفی کیلئے بہت دلچسپ ہوگا کہ انسان کی بنائی ہوئی مصنوعات اپنے بنانیوالوں کے فنا ہونے پر بھی باقی ہیں۔"

"قسم خدا کی" لارڈ جان نے جوش میں کرسی سے اچھلکر کہا "وہ دیکھئے وہ دھؤاں کیسا ہے؟ وہ تو ریل معلوم ہوتی ہے"

ہم نے اسکی چیخ سنی اور تھوڑی دیر میں وہ تیزی کیساتھ ہمارے سامنے آ گئی - اسکی رفتار اسوقت بہت ہی تیز معلوم ہوتی تھی - وہ کہاں سے آئی تھی اور کتنی دور چلی تھی، ہم اس کے دریافت کرنے سے قاصر تھے، کوئی معجزہ ہی ہوگا جو وہ اتنی دور بھی چلی ہوگی - لیکن اب ہم اس کے سفر کا ہولناک انجام بھی دیکھنے والے تھے - اس پٹڑی پر کوئلہ سے بھری ایک

مال گاڑی کھڑی تھی۔ جب ہم نے ڈاک گاڑی کو بھی اسی پٹڑی پر جاتے دیکھا تو ہم دم بخود رہ گئے۔ ٹکر بھی بلا کی ہوئی انجن اور گاڑیاں سب گڈ مڈ ہو کر ٹوٹی لکڑیوں اور مڑے لوہے کے ٹکڑوں کی ایک پہاڑی سی بن گئی سرخ سرخ شعلوں کی لپٹیں نکلنے لگیں۔ یہاں تک کہ سب میں آگ لگ گئی اس ہیبتناک نظارہ سے مبہوت ہو کر ہم کوئی آدھ گھنٹہ تک بالکل خاموش بیٹھے رہے۔

آخر کار اپنے شوہر کے بازو پر سہارا دیکر مسز چیلنجر نے کہا "افسوس ان بیچاروں پر"

ان کے شوہر نے اطمینان دلانے کیلئے ہاتھ سہلا کر کہا "جانِ من! اس ریل پر جو مسافر تھے وہ ایسی ہی بے جان تھے۔ جیسے کہ کوئلے، جن سے ٹکر ہوئی، یا وہ کاربن جس میں وہ اب تبدیل ہو گئے ہیں۔ جب وکٹوریا سے یہ ریل چلی تھی تو اسپر زندہ سوار تھے، لیکن اپنے انجام کو پہنچنے سے بہت پہلے اس کے چلانیوالے اور اس میں بیٹھنے والے دونوں مر چکے تھے۔"

"دنیا بھر میں سب جگہ یہی ہو رہا ہوگا" میں نے کہا "سمندروں میں جہازوں کا خیال کیجئے کہ کسطرح ان میں سے بھاپ نکلتی ہو گی یہاں تک کہ ان کی بھٹیاں بالکل سرد ہو جائیں۔ یا وہ پوری قوت سے کسی ساحل سے ٹکرا جائیں۔ چلتے جہازوں کا بھی یہی حال ہو گا کہ وہ مردہ ملاحوں کو لئے بھٹکتے پھریں گے یہاں تک کہ انکا چوبینہ سڑ گل جائے اور ان کے جوڑ کھل جائیں شاید ایک صدی گزرنے پر بھی بحر اطلانتک پر یہ پرانی بہتی لکڑیاں ملیں۔"

" اور کوئلہ کی کانوں میں لوگوں کا کیا حال ہوگا" سمرلی نے غمگین ہوکر کہا
" اگر زمین پر ارضیئین کا وجود دوبارہ ہو سکا تو کاربنی طبقوں میں انسان کے وجود کے متعلق ان کے عجیب و غریب نظریئے ہوں گے۔"

" مجھے ان چیزوں کے علم کا تو دعوےٰ نہیں" لارڈ جان بولے "لیکن مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بعد زمین کرایہ پر! خالی، ہوگی۔ جب ایک مرتبہ یہ نسلِ انسانی تباہ ہو جائیگی تو دوبارہ کیسے آباد ہوگی؟"

" دنیا تو پہلے بھی خالی تھی" چے لنجر نے متانت سی جواب دیا " ان قوانین کے ماتحت جنکا آغاز فہم سے بلند تر اور ہماری قدرت سے بالاتر ہے، دنیا آباد ہوئی۔ تو دوبارہ اس امر کے وقوع میں کونسا امر مانع ہے؟"

" جناب چے لنجر صاحب! آپ کا یہ مطلب نہیں ہو سکتا؟"

" جناب پروفیسر سمرلی صاحب! میری یہ عادت نہیں کہ جو کہوں وہ مطلب نہو۔ یہ بات تو معمولی سی ہے۔" اس کا کہنا تھا کہ داڑھی اٹھ گئی اور پلکیں جھک گئیں۔ چنانچہ سمرلی نے ترشی سی کہا

" اجی حضرت آپ ہمیشہ کے ضدی مزاج خود رائے واقع ہوئے ہیں اور ایسی حالت میں مرنا چاہتے ہیں"

" اور آپ جناب! ہمیشہ سے تخیل سے عاری اور تعرض کار رہے ہیں اور اب اس سے نکلنے کی امید بھی نہیں رہی"

" آپ کے سخت ترین نکتہ چین بھی واقعی آپ کو بے تخیل تو نہ بتائینگے" سمرلی نے جواب دیا

"کمال ہے" لارڈ جان نے کہا "یہ واقعی آپ ہی لوگوں کا کام ہے کہ آکسیجن کی آخری مقدار ایک دوسرے کو گالیاں دینے میں گزار دیں۔ اجی حضرت! ہمیں اس سے کیا کہ انسان واپس آئیگا یا نہیں۔ ہمارے زمانے میں تو ایسا ہونے سے رہا"

"آپ کے اس قول سے جناب! آپ کا مبلغ علم بالکل نمایاں ہو جاتا ہے" چےلنجر نے ذرا جوش سے کہا "صحیح علمی دماغ کیلئے مکان و زمان کی کوئی قید نہیں۔ وہ اپنے لئے ایک رصد گاہ حال کی سرحد پر بنا لیتا ہے، جو غیر محدود ماضی کو غیر محدود مستقبل سے جدا کرتا ہے۔ اس مستحکم مقام سے، وہ دماغ خروج کرتا ہے تو ازل سے ابد تک کی خبر لاتا ہے۔ رہی موت تو علمی دماغ آخری وقت تک بھی اپنے طبعی اور منتظم طریقہ کو ہاتھ سے نہیں دیتا اور اسی حالت میں جان دیتا ہے وہ اپنی طبعی تحلیل جیسی حقیر چیزوں کو ایسے ہی نظر انداز کر دیتا ہے جیسے عالم اجسام کی دیگر قیود کو۔ کیوں پروفیسر سمرلی صاحب درست ہے نا؟"

سمرلی نے طوعاً و کرہاً رضامندی کا اظہار کرتے ہوئے کہا "چند ترمیموں کے ساتھ مجھے بھی اتفاق ہے"

"تصوری علمی دماغ" چےلنجر نے بہ سلسلۂ سابق کہا "میں صیغۂ غائب استعمال کر رہا ہوں تاکہ خود ستائی نہ معلوم ہو۔ ہاں تو تصوری علمی دماغ ایسا ہونا چاہیئے کہ صاحب دماغ اگر ایک غبارے سے گزرے تو زمین پر پہنچنے تک وہ دماغ علم مجرد کا کوئی مسئلہ حل کر سکے۔ ایسے ہی زبردست

دماغ والوں کا کام ہے کہ وہ فاتحِ فطرت اور فرمانِ صداقت بن سکیں"

"مجھے تو اس دفعہ فطرت ہی غالب نظر آتی ہے" لارڈ جان نے کھڑکی کے باہر دیکھکر کہا "آپ نے چند افتتاحیے دیکھے ہیں جن میں آپ لوگوں کا فطرت کو قابو میں لانے کا ذکر تھا۔ لیکن اب معلوم ہوتا ہے کہ وہی غالب ہے"

"یہ محض عارضی شکست ہے" چے لنجر نے بہت تیقن سے کہا "چند لاکھ برس، زمانہ کی گردش کے مقابلہ میں کیا ہیں؟ آپ دیکھتے ہیں کہ عالمِ نباتات بچ گیا ہے۔ دیکھئے اُس سال کے درخت کی پتیوں کو دیکھئے چڑیاں تو مر گئی ہیں لیکن درخت بدستور ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ تالاب اور دلدلوں کی نباتات سے وقت معینہ پر وہ چھوٹے چھوٹے خوردبینی کھونگے پیدا ہوں گے جو اس جنبش حیات کے ہراول ہیں۔ جس کے ہم پانچوں نہایت غیر معمولی طریقہ پر عقب بنے ہوئے ہیں۔ ایک مرتبہ حیات کی پست ترین شکل قایم ہو جائے تو پھر بالآخر انسان کا ورود ایسا ہی یقینی ہو جائیگا جیسے تخم سے شاہ بلوط پیدا ہو جاتا ہے۔ پھر ایک مرتبہ وہی قدیم دور قایم ہو جائے گا"

"لیکن زہر؟" میں نے پوچھا "کیا زہر زندگی کی کلی ہی کو مرجھا نہیں دیگا؟"

"زہر ممکن ہے کہ اثیر کا محض ایک طبقہ یا تہہ ہو جس زبردست بحر میں ہم اسوقت بہہ رہے ہیں اسکے مقابلے میں محض ایک دھارا ہو۔ یا دوسری ہی حالات قایم ہو جائیں اور حیات پھر انہیں حالات کی روادار ہو جائے

محض یہ امر کہ نسبتاً خون کا تھوڑا سا بڑھ جانا زہر کے روکنے کیلئے کافی ہے۔ اس بات کی دلیل ہے کہ حیات حیوانی کو ان حالات کے برداشت کرنے کیلئے کسی بڑے تغیر کی ضرورت نہ ہوگی۔"

درختوں کے اس پار دھوئیں والا مکان اب بھڑک اٹھا تھا۔ ہوا میں شعلوں کی لپٹیں اٹھتی دکھائی دیتی تھیں۔

"یہ تو بہت خوفناک ہے" لارڈ جان نے کہا "اس سے پہلے میں نے ان کو اتنا متاثر کبھی نہ دیکھا تھا۔"

"بہرحال اسمیں ہرج ہی کیا ہے؟" میں نے کہا "دنیا تو فنا ہی ہو چکی ہے اب لاش جلنے سے بڑھکر کیا تجہیز و تکفین ہوگی۔"

"اگر اس مکان میں آگ لگ گئی تو ہمارا خاتمہ اور بھی جلد ہو جائیگا"

"میں نے اس خطرہ کو سوچ لیا تھا" چے لنجر نے کہا "اور اپنی اہلیہ سے اس کے تدارک کیلئے کہدیا تھا۔"

"ہر چیز محفوظ ہے۔ لیکن میرے سر میں پھر کچھ گرانی محسوس ہوتی ہے کس غضب کی یہ فضا ہے!"

"ہم اسے بدلے دیتے ہیں۔" چے لنجر نے کہا اور آکسیجن کے پیپے پر جھکے "یہ تو قریب قریب خالی ہے" وہ کہنے لگے "اس نے ہمیں ساڑھے تین گھنٹے تک کام دیا۔ اب اس وقت آٹھ بجنے کے قریب ہیں۔ رات بھر تو آرام سے گزر جائیگی مجھے خاتمہ کی توقع کل صبح ۹ بجے ہے۔ ہم اب جس طلوع کو دیکھینگے۔ وہ صرف ہمارے ہی لئے ہوگا۔

اب انہوں نے دوسری نلی کھولدی اور کوئی آدھے منٹ کیلئے دروازے کے اوپر والا بادگیر کھولدیا۔ اس سے ہوا تو یقیناً بہتر ہوگئی لیکن ہماری علامات میں شدت ہوگئی اسلئے انہوں نے بادگیر پھر بند کردیا۔ اور کہنے لگے۔

"ہاں ایک بات یاد آئی۔ آدمی محض آکسیجن پر تو زندہ نہیں رہتا۔ اب یہ وقت کھانے کا ہی بلکہ ہو چکا۔ آپ حضرات یقین رکھئے کہ جب میں نے آپ لوگوں کو تکلیف دی تھی اور یہ سمجھا تھا کہ ایک بہت ہی دلچسپ ملاقات ہوگی تو اس وقت میں نے باورچیخانہ کو نظر انداز نہیں کیا تھا۔ چنانچہ اس کا ثبوت ملنے والا ہی۔ بہرحال جو کچھ ہضم کر سکتے ہیں ہمیں کرنا چاہئے۔ مجھے یقین ہی کہ آپ بھی میری تائید کرینگے کہ چولھا جلا کر آگ ختم کردینا حماقت ہوگی میرے پاس سرد گوشت، روٹی اور اچار چٹنی وغیرہ موجود ہی اور دو گلابیاں شراب کی ہیں میں سمجھتا ہوں کہ کفایت کریں گی۔ جانِ من، تسلیم! واقعی تم انتظام کی ملکہ ہو"

فی الحقیقت یہ دیکھکر تعجب ہوتا تھا کہ ایک خود دار اور باسلیقہ انگریزی خانہ دار کی طرح اس خاتون نے چند منٹوں میں بیچ والی میز پر ایک سفید براق دسترخوان بچھا دیا پیش گیرے رکھدیئے۔ اور وہ سادہ کھانا اس سلیقہ سی چنا کہ تہذیب کا پورا نمونہ نظر آیا۔ بیچ میز میں ایک برقی مشعل بھی رکھی تھی۔ اس سی بڑھکر اسکا تعجب تھا کہ ہماری اشتہا زوروں پر تھی۔

"یہ ہمارے جوش دروں کا اندازہ ہی" چےلنجر نے اپنے اس مخصوص انداز میں کہا جو کبھی کبھی وہ چھوٹی باتوں کی تاویل کیلئے اختیار کیا کرتے تھے "ہم ایک

بڑے بحران سے گزر چکے ہیں۔ اسکی معنی سالمی توجّہ کے ہیں۔ اس سے مطلب یہ ہے کہ مرمت کی ضرورت ہے۔ شدت کا غم اور شدت کی خوشی میں شدت کی بھوک ہونی چاہیئے نہ کہ ہمارے ناول نویسوں کے قول کے مطابق عدم اشتہا"

" اسی وجہ سے موت پر ہماری دیہاتی بڑی بڑی دعوتیں کرتے ہیں" میں نے دبی زبان سے کہا

" بالکل ٹھیک۔ واقعی ہمارے نوجوان دوست نے بہت عمدہ مثال دی۔ یہ لیجیئے یہ زبان لیجیئے"۔

" یہی حال وحشیوں کا ہے" لارڈ جان نے گوشت کاٹ کر کہا " میں نے دیکھا ہے کہ اِدھر تو انہوں نے اپنے سردار کو دریائی اردلی کے سپرد کیا اور اُدھر وہ ایک دریائی گھوڑے کو ہضم کر گئے جس کا وزن کل قبیلہ کے برابر ہوگا اور نیو گائنا کے راستے میں بعض وحشی تو خود متوفی کو کھا جاتے ہیں۔ اس زمین پر جتنی دعوتیں بھی میت پر ہوئی ہیں ان سب میں میرے خیال میں ہماری دعوت عجیب تریں ہے۔

" سب سے عجیب بات یہ ہے" مسز چیلنجر نے کہا " کہ جو لوگ فوت ہو گئے ان پر مجھے بالکل افسوس نہیں معلوم ہوتا۔ بڈ فورڈ میں میرے والدین ہی ہیں۔ مجھے معلوم ہے کہ وہ مر گئے۔ اسپر بھی اس عالمگیر موت و فنا میں مجھے کسی کیلیئے حتیٰ کہ ان کیلیئے بھی رنج نہیں معلوم ہوتا "

" میری ضعیف ماں تو آئرستان میں اپنے مکان میں ہونگی" میں نے کہا " مجھے تخیل میں انکی تصویر نظر آتی ہے کہ دو شالہ اوڑھے لیس دار ٹوپی پہنے آنکھیں

بند کھڑکی کے پاس پرانی اونچی پیٹھ والی کرسی پر بیٹھی ہوئی ہیں۔ ان کی عینک اور کتاب ان کے پاس رکھی ہے۔ لیکن میں انکا ماتم کیوں کروں۔ وہ چل بسیں اور میں بھی تیار بیٹھا ہوں۔ ممکن ہے کہ انگلستان اور آئرستان کے مقابلے میں اس زندگی میں ان سے قریب تر ہوں۔ تاہم مجھے اس خیال سے ایک گونہ رنج ہے کہ اب وہ نہیں ہیں"

"رہا جسم" چے لنجر نے کہا "تو ہم اپنے ناخونوں یا بالوں کے کٹنے پر کوئی رنج نہیں کرتے حالانکہ وہ بھی ہماری ہی جسم کا حصہ ہوتے ہیں اور نہ ایک لنگ کا آدمی اپنی کٹی ٹانگ پر زیادہ نالہ و شیون کرتا ہے۔ یہ طبعی جسم تو ہمارے لئے تکلیف کا باعث ہوتا ہے۔ یہ ہر وقت ہماری حدود ہمیں بتلاتا رہتا ہے۔ پس اگر ہمارے نفس سے یہ جدا ہو جائے تو ہمیں رنج کی کیا وجہ؟"

"اگر فی الواقع وہ جدا ہو سکیں" سمر لی نے اعتراضاً کہا "لیکن بہر نوع عالمگیر موت خوفناک ہوتی ہے"

"میں پہلے ہی سمجھا چکا ہوں" چے لنجر نے کہا "کہ عالمگیر موت کی نوعیت منفرد کی موت سے کم ہیبت ناک ہوتی ہے"

"یہی حال لڑائی کا ہوتا ہے" لارڈ جان نے کہا "اگر آپ سامنے فرش پر ایک آدمی پڑا دیکھیں جسکے سینے پر گولی لگی ہو اور جس کے چہرے پر سوراخ ہو گیا ہو تو آپ فوراً اچھل پڑینگے۔ لیکن میں نے سوڈان میں ایسے ہزاروں کو دیکھا ہے اور کوئی احساس مجھ میں پیدا نہیں ہوا کیونکہ جب آپ تاریخی عظمت کا کوئی کام انجام دیں تو کسی ایک شخص کی زندگی ایسی چیز نہیں ہوتی کہ اسکی فکر کیجائے۔ جب

ہزاروں یوں گذریں جیسی کہ آج گزرے تو اس انبوہ میں سے آپ کسی کو مخصوص نہیں کر سکتے۔ مثل مشہور ہے "مرگِ انبوہ جشنے دارد"

"کاش ہم سب بھی ختم ہو جاتے" خاتون نے کہا "جارج! مجھے خوف معلوم ہوتا ہے"

"جب وقت آئیگا تو تم ہی سب سے بہادر نکلوگی۔ میں تمہارے لیے ایک شوریدہ سر شوہر رہا۔ لیکن تمہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ ج، ای، چ ویسا ہی ہے۔ جیسا کہ وہ بنایا گیا ہے اور اسمیں بالکل سے اختیار نہ تھا۔ اس کے علاوہ تم نے کسی اور کو پسند بھی نہ کیا"

"ہاں دنیا میں اور کوئی پسند بھی نہ آیا" یہ کہکر خاتون نے اپنی ہاتھ شوہر کی موٹی گردن میں ڈال دیئے ہم تینوں کھڑکی تک گئے اور جو منظر ہمارے سامنے تھا اسکو دیکھکر دنگ رہ گئے۔

تاریکی چھا گئی تھی اور مردہ دنیا پر اب مردنی طاری تھی۔ لیکن جنوبی افق کے اس پار ایک لمبی سرخ پٹی نظر آتی تھی جو نبض کیطرح اترتی چڑھتی تھی۔ کبھی تو ایک کے چوٹی تک پہنچتی تھی اور کبھی اتر کے سلگتی آگ معلوم ہونے لگتی تھی۔

"لیوِس میں آگ لگی ہے" میں نے کہا۔

"نہیں یہ آتشزدگی برائٹن کی ہے" چیلنجر نے قدم بڑھا کر کہا "دیکھو ان شعلوں کے آگے وہ خمدار پہاڑیاں نظر آتی ہیں۔ وہ آگ ان سے میلوں پیچھے ہے۔ سارا شہر جل رہا ہوگا"

مختلف مقامات پر اس جیسی کئی سرخیاں نظر آ رہی تھیں اور ریل کی

پٹڑی پر ملبہ ابھی تک سلگ رہا تھا لیکن یہ سب آتش زدگیاں پہاڑیوں کے اس پار والی زبردست آگ کے مقابلے میں محض انگارے معلوم ہوتی تھیں گزٹ کیلئے ان کی تصویر کیا ہی موزوں ہوتی! کیا کسی صحافی کو ایسا موقع ملا ہو اور پھر اس کو کام میں لانے کی کوئی صورت نہ ہو اور پھر یکایک ضبط تحریر میں لانے کی پرانی عادت مجھ پر غالب آگئی - اگر یہ اہل علم آخر تک طلب علم میں مصروف ہیں تو مجھ کو بھی اپنے ناچیز طریقے پر اپنا کام کیوں نہ انجام دینا چاہیئے؟ ممکن ہے کہ جو کچھ میں لکھوں اسکو کوئی انسانی آنکھ نہ دیکھے لیکن یہ رات بھی کسی نہ کسی طرح گزارنا تھی - اور کم از کم میرے لئے تو نیند خارج از بحث تھی - میں کیفیت قلمبند کرونگا تو ایک رات کٹ جائیگی دوسرے میرے خیالات یکسو ہوں گے یہی وجہ ہے کہ اب میرے سامنے وہ بیاض ہے جس میں نے اس برقی مشعل کی دھیمی روشنی میں گھٹنے پر رکھکر یادداشت لکھی تھی - اگر مجھ میں ادبی ذوق ہوتا تو یہ تحریر موقع اور محل کے مناسب ہوتی - تاہم جیسی بھی ہے کم از کم اتنا تو ہے کہ اس سے دوسرے اس خوفناک رات کو ہمارے اضطراب و اضطرار کا اندازہ کر سکینگے -

چوتھا باب

مرنیوالوں کا روزنامچہ

میری بیاض کے خالی صفحہ پر یہ عنوان کیسا عجیب معلوم ہوتا ہے - اس

سے عجیب تر یہ کہ وہ میں ہی تھا جس نے الفاظ بالا تحریر کئے تھے اور وہ میں ہی تھا جو اسٹریتھم میں اپنے کمروں سے بارہ گھنٹے قبل چلا تھا اور اسکا وہم و گمان بھی نہ تھا کہ ایسے ایسے غرائب سے واسطہ پڑیگا۔ اب میں سلسلۂ واقعات پر نظر ڈالتا ہوں تو میک آرڈل سے ملنا، ٹائمز میں چے لنجر کا پہلا اندیشہ ناک خط چھپنا، ریل کا وہ نامعقول سفر، وہ خوشگوار دعوت، وہ ساعتِ عظیم اور اب اس انجام کو پہنچے، کہ ہم ہی اکیلے اس خالی سیارہ پر رہ گئے۔ اور اب ہمارا انجام اسقدر یقینی ہوگیا ہے کہ اِن سطروں کو، جو محض پیشہ کی عادت کی وجہ سے ضبط تحریر میں آئیں اور جن کو انسانی آنکھیں کبھی نہ دیکھینگی میں پہلے ہی سے مردہ آدمی کی تحریر سمجھ سکتا ہوں یعنی وہ اس سرحد پر آ لگا ہے جس کے اس پار احباب کے اس چھوٹے سے دائرے کے علاوہ سب جا چکے ہیں۔ اب مجھے محسوس ہوتا ہے کہ چے لنجر کا یہ قول کتنا صادق اور صحیح تھا کہ حقیقی مصیبت تو اُس وقت ہوگی جبکہ ہم اکیلے رہجائیں گے اور جملہ شرافت و نیکی و حسن رخصت ہو جائیگا۔ لیکن اب اسکا بھی خطرہ نہ رہا۔ اسلئے کہ ہماری آکسیجن کی دوسری نلی ختم ہو رہی ہے۔ اب تو ہم اپنی زندگی کی ایک ایک سانس تک شمار کر سکتے ہیں چے لنجر صاحب کوئی پاؤ گھنٹے سے ہمیں ایک لکچر پلا رہے تھے کہ گویا وہ حسب قدیم کوئنس ہال میں علمی متشککین کی ایک مجلس کے سامنے تقریر کر رہے ہیں۔ اسوقت تو واقعی ایک عجیب مجمع ان کا سامع تھا۔ ان کی بیوی تھیں کہ ہر امر پر تسلیم خم۔ اگرچہ ان کے مطلب سے بالکل لاعلم ہی کیوں نہوں سمرلی تھے کہ ذرا سائے میں تھے طبیعت میں نکتہ چینی اور باریک بینی لیکن دلچسپی لئے

ہوئے ، لارڈ جان تھے کہ ایک کونے میں پڑے ہوئے تھے اور انہیں اس کل کاروائی سے الجھن تھی ۔ اور میں تھا کہ کھڑکی کے پاس بیٹھا اس منظر کا تماشا دیکھ رہا تھا کہ گویا یہ سب خواب ہی یا ایسا معاملہ ہی جس کو مجھ سے براہِ راست کوئی تعلق نہیں ۔ چے لنجر درمیانی میز کے پاس بیٹھے تھے اور برقی روشنی خوردبین کے نیچے اس تختی کو منور کر رہی تھی جس کو وہ اپنے لباس خانے سے اٹھالائے تھے ۔ خوردبین والے آئینے سے سفید روشنی کا جو چھوٹا سا دائرہ ان کے ناہموار اور ریش دار چہرے پر پڑ رہا تھا ۔ اس سے آدھا چہرہ تو روشن تھا اور آدھا تاریک ۔ معلوم ہوتا تھا کہ وہ کچھ عرصے سے حیات کی سادہ ترین شکلوں کی تحقیق میں مصروف تھے ۔ جو امر ان کیلئے باعثِ ہیجان تھا وہ یہ کہ جس خوردبینی تختی کو انھوں نے کل تیار کیا تھا ابھی اب تک امیب زندہ تھا ۔ وہ بہت جوش میں آکر کہنے لگے :-

" آپ خود دیکھ سکتے ہیں ۔ سمرلی صاحب آیئے قدم بڑھایئے اور اپنا اطمینان کر لیجئے ۔ میاں مے لون! ذرا تم بھی میرے قول کی تصدیق کرنا ۔ بیچ میں تکلے جیسی چیزیں جو نظر آتی ہیں وہ دو جوہرے ہیں ہم ان کو نظر انداز کر سکتے ہیں اسلئے کہ یہ غالباً حیوانی کی بجائے نباتی ہیں لیکن داہنی جانب ایک غیر مشتبہ امیبا ہی جو اِس میدان پر گھسٹ رہا ہی "

سمرلی نے دیکھا اور تائید کی ۔ اسیطرح میں نے بھی دیکھا تو ایک چھوٹا سا کیڑا دکھائی دیا جو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا سُن شیشے کا بنا ہی اور ذلدل میں بہہ رہا ہی ۔ لارڈ جان محض ان کے قول پر اعتبار کرنے کیلئے تیار

تھے۔ چنانچہ کہنے لگی :-

"مجھے اس سے کیا کہ وہ زندہ ہے یا مر گیا ہم ایک دوسرے کے شناسا تک بھی تو نہیں۔ بس مجھے فکر کی ضرورت ؟ میں نہیں خیال کرتا کہ اسے بھی ہماری صحت کے متعلق ذرا بھی تشویش ہوگی ؟"

میں اس پر ہنس پڑا اور چے لنجر نے میری طرف نہایت سرد مہری اور تکبر سے دیکھا وہ عجب تحیر خیز منظر تھا۔ اور پھر کہنے لگی۔

"نیم تعلیمیافتہ لوگوں کی زبان درازی عامیوں کی نادانی سے بڑھ کر علم کے راستے میں رکاوٹ پیدا کرتی ہے۔ اگر لارڈ جان راکسٹن گوارا کریں۔"

"جارج ! اتنے بدمزاج مت بنو" ان کی اہلیہ نے ان کے گھنے بالوں والی سر پر ہاتھ رکھکر کہا "ایسا مرے یا جیئے کونسی بڑی بات ہے ؟"

"ہاں بڑی ہی بات ہے" چے لنجر نے جھلا کر کہا "اچھا تو پھر کچھ اس کے متعلق سنائیے"

لارڈ جان نے نہایت شیریں کیساتھ کہا۔ "کچھ نہ کچھ گفتگو تو ہونی چاہئے اسی پر سہی۔ اگر آپ کا خیال ہے کہ میں نے اسکو بہت ہی حقیر سمجھا یا اس کے جذبات کو کسی طرح صدمہ پہنچایا تو میں معافی مانگ لونگا"

"مجھ سے پوچھئے تو" سمرلی نے اپنی چڑاتے اور حجتی انداز میں کہا "میں کہونگا کہ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ اس کے زندہ ہونے کو اتنی اہمیت کیوں دے رہے ہیں وہ بھی اسی فضا میں ہے۔ جس میں ہم ہیں۔ اسلئے ظاہر ہے کہ اسپر زہر اثر نہیں کرتا۔ اگر وہ اس کمرے کے

باہر ہوتا تو دوسرے جانداروں کیطرح یہ بھی مرجاتا "

"جناب سمرلی صاحب! آپ کے اس قول سے" چے لنجر نے بہت متواضع بن کر کہا (کاش! خوردبین والے آئینے سے منعکس روشنی میں اس ادعانما اور متکبر چہرے کا نقشہ کھینچ سکتا) "آپ کے اس قول سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ حقیقت حال کا اندازہ نہیں کر سکے یہ نمونہ کل تیار کیا گیا تھا اور اسی وقت گل حکمت کر دیا گیا۔ ہماری آکسیجن تو اس تک پہنچ ہی نہیں سکتی لیکن ایتھر بلاشبہ اس تک پہنچ گیا ہے۔ کیونکہ وہ کائنات کے ہر نقطہ تک پہنچ سکتا ہے پس وہ اس زہر کو برداشت کر گیا۔ اسلئے ہم یوں استدلال کر سکتے ہیں۔ کہ اس کمرے کے باہر ہر امیبا بجائے مردہ ہونے کے جیسا کہ آپ نے غلطی سے کہا۔ اس بلا کو جھیل گیا "

" اب بھی میں نہیں سمجھتا کہ اسمیں خوشی منانے کی کونسی بات ہے؟" لارڈ جان نے کہا " تو اس سے ہوا کیا؟"

" بہت کچھ۔ یہی کہ دنیا مردہ ہونے کی بجائے زندہ ہے۔ اگر آپ میں علمی تخیل موجود ہوتا۔ تو آپ اسی ایک واقعہ سے استدلال کرتے اور پھر آپ کو معلوم ہوتا کہ آج سے چند لاکھ برس بعد، اور یہ مدت گردش ایام کے مقابلہ میں ہے کیا۔ اسی حقیر بنیاد سے دنیا پھر حیوانی اور انسانی زندگی سے پر ہو جائیگی۔ آپ نے کوہ و دشت میں آگ لگتی دیکھی ہوگی جہاں گھاس یا پودوں کا نشان تک صفحہ زمین سے مٹ جاتا ہے اور یہاں سے وہاں تک سیاہی باقی رہ جاتی ہے۔ آپ خیال کرتے ہوں گے کہ وہ اب ہمیشہ کیلئے ویران ہو

گیا۔ تاھم جڑیں باقی رہ جاتی ہیں۔ اور اگر آپ چند برس بعد اسی مقام کو دیکھیں تو آپ کو یہ پتہ بھی نہ چلیگا کہ وہ سیاہ نشان کہاں تھے۔ اس حقیر مخلوق میں حیوانی دنیا کی بالیدگی کی بنیاد موجود ہے۔ اور یقیناً اپنے فطری نشوو نما اور ارتقا کی بدولت بالآخر اس عدیم النظیر بحران کا جس میں ہم مبتلا ہیں ہر نشان اپنے وقت پر مٹ کے رہیگا"

"کمبخت کتنا دلچسپ ہے" لارڈ جان نے اچھل کے اور خوردبین میں دیکھکر کہا "حضرت جو خاندانی تصویروں میں درجہ اول پر لٹکائی جائینگی تو کیا مزے کی بات ہوگی۔ اچھا ایک بٹن بھی آپکے اوپر موجود ہے"

"وہ تاریک چیز اسکا مرکز ہے" چے لنجر نے اسطرح کہا جیسے کوئی دایہ بچے کو حروف سکھلائے "خیر ہمیں تنہائی محسوس کرنے کی ضرورت نہیں" لارڈ جان نے ہنسکر کہا "ہمارے علاوہ اس زمین پر ایک اور بھی زندہ موجود ہے"

"چے لنجر صاحب آپ نے تو غالباً اسے تسلیم کرلیا ہو" سمرلی نے کہا "کہ جس غرض کیلئے یہ دنیا خلق کیگئی وہ یہ ہو کہ اس میں انسان پیدا اور آباد رہیں"

"یہ نہیں ہو تو جناب اور کونسی غرض ہے؟" چے لنجر نے اس ذراسی مخالفت پر چیں بہ جبیں ہوکر کہا

"بعض اوقات مجھے یہ خیال ہوتا ہو کہ بنی نوع انسان کا یہ محض ادعا اور تکبر ہے جو وہ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ کارخانہ دنیا ان کا بازیگاہ بنایا گیا ہو"

"ہم اس کے متعلق قطعی طور سے تو نہیں کہہ سکتے لیکن ہاں آپ کے نامزد کردہ ادعا محض کے بغیر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ فطرت میں ہم ہی اعلیٰ ترین مخلوق ہیں۔"

"اعلیٰ ترین وہیں تک جہاں تک ہمارا علم ہے۔"

"اس میں جناب کس کو کلام ہے"

"اچھا تو اب ان لکھوکھا بلکہ کروڑ ہا برس کا خیال کیجئے جس میں زمین مکان میں خالی اور خالی نہ سہی تو کم از کم نسلِ انسانی کے وجود یا نشان کے بغیر گھومتی رہی اب ذرا اس کے متعلق سوچئے تو، کہ اس مدت مدید بلکہ امد میں وہ کسطرح بارش سے دھلتی رہی سورج سے تپتی رہی اور ہوا کے تھپیڑے کھاتی رہی جہاں تک ارضی زمانہ کا تعلق ہے انسان کی آمد تو کل کی بات ہے تو ہم یہ کیوں تسلیم کر لیں کہ یہ سارے کا سارا عظیم الشان کارخانہ صرف اسی کے تمتع کیلئے بنایا گیا ہے؟"

"اس کیلئے نہیں تو پھر کس کیلئے؟ یا کس مقصد کیلئے؟"

سمرلی نے اپنے شانے ہلائے

"ہم کیسے کہہ سکتے ہیں؟ انسان کو تو اصل میں بالکل اتفاقی ہونا چاہئے تھا یعنی عمل ارتقا کا محض ایک ذیلی حاصل۔ لیکن اب جو اسکی موجودہ حالت ہے۔ اسکا سبب تو ہمارے ادراک ہی سے ہے انسان کی مثال تو ایسی ہے، جیسے سمندر کی سطح پر جھاگ یہ سمجھے کہ سمندر میرے پیدا ہونے اور رہنے کیلئے بنایا گیا ہے یا کسی گرجا میں اونٹ چوہا یہ سمجھے کہ یہ عمارت میری ہی لئے بنائی گئی ہے۔"

میں نے حرف بحرف ان کے دلائل قلمبند کر دیئے ہیں لیکن اسکو بعد تو محض لفاظی رہ گئی تھی کہ ہر دو جانب سے بڑے بڑے ثقیل علمی الفاظ استعمال ہوتے تھے۔ اس میں شک نہیں کہ ایسے دو دماغوں کو سرگرم مباحثہ دیکھنا ہی کیا کم عزت ہے لیکن چونکہ ان میں از اول تا آخر اختلاف تھا اسلئے لارڈ جان اور مجھ جیسے سادہ لوگوں کیلئے ان کی اس علمی نمائش سے کسی قطعی بات کا پتہ لگانا بہت مشکل تھا۔ وہ ایک دوسرے کی تردید کرتے رہتے اور ہم پھر ویسے کے ویسے ہی رہ جاتے۔ لیکن اب وہ گرمی ہنگامہ ختم ہو گئی۔ سمرلی صاحب اپنی کرسی پر گٹھری بنے پڑے ہوئے ہیں اور چیلنجر صاحب ابھی تک خوردبین کے پیچوں پر ہاتھ لگائے ہوئے طوفان کے بعد سمندر کے شور کیطرح مسلسل ہلکے ہلکے غرا رہے ہیں۔ لارڈ جان میرے پاس آتے ہیں اور ہم دونوں کھڑکی میں سے رات کو دیکھتے ہیں۔

زرد زرد ہلال چمک رہا ہے۔ یہ آخری ہلال ہے جس پر انسانی آنکھیں پڑ رہی ہیں۔ تارے بھی خوب چھٹکے ہوئے ہیں۔ جنوبی امریکہ کے پٹھار کے صاف مطلع میں بھی میں نے ان کو ایسا چمکدار نہ دیکھا تھا۔ غالباً یہ اثیری تغیر روشنی پر بھی کچھ اثر رکھتا ہے۔ برائی ٹن کی چتا اب تک جل رہی ہے اور مغربی مطلع پر بہت دور سرخی سی دکھائی دے رہی ہے جسکے معنی یہ ہیں کہ ارن ڈیل یا چی چسٹر یا ممکن ہے کہ پورٹس ماؤتھ تک شعلوں سے متاثر ہو۔ میں بیٹھا ہوا لطف اندوز ہو رہا ہوں۔ اور وقتاً فوقتاً کچھ

لکھتا بھی جاتا ہوں۔ جوانی و حسن اور مردانگی و محبت، ان سب کا کیا یہی انجام ہونیوالا ہے۔ تاروں بھری رات میں زمین سکون و سرور کا ایک خوابستان معلوم ہوتی ہے۔ ایسی حالت میں اس کو کون آدمیوں کی لاشوں سے بھرا ہوا جہنم خیال کر سکتا ہے۔ یکایک میں اپنے کو ہنستا ہوا پاتا ہوں۔

"واہ میاں، صاحبزادے واہ!" لارڈ جان میری طرف تعجب سے دیکھکر کہتے ہیں۔ "ایسے سخت وقت میں بھلا ہنسی کا کیا موقع تھا۔ آخر کیا بات تھی؟"

"میں تمام لاینحل مسائل پر غور کر رہا تھا" میں جواب دیتا ہوں "ان مسائل پر جن پر ہم نے اپنی اسقدر محنت اور فکر صرف کی ہے۔ مثلاً آپ اینگلو جرمن مقابلہ کا خیال کیجئے یا خلیج فارس کو دیکھئے جس میں میرے سابق افسر کو اسقدر دلچسپی تھی۔ جبکہ ہم خود اس طرح چیں بجبیں ہو رہے ہیں تو کس کے ذہن میں آسکتا ہے۔ کہ یہ مسائل کیسے حل ہوں۔"

ہم پھر خاموش ہو جاتے ہیں۔ میرے خیال میں ہم سب اپنے یاران رفتہ کو یاد کر رہے ہیں۔ مسز چیلنجر آہستہ آہستہ سسکیاں بھر رہی ہیں۔ انکے شوہر ان سے کچھ کان میں باتیں کر رہے ہیں۔ بالکل غیر مانوس اور غیر متوقع لوگوں کیطرف میرا ذہن منتقل ہوتا ہے اور ان سب کو میں صحن میں پڑے ہوئے بیچارے آسٹن کیطرح مردہ اور خشک دیکھتا ہوں۔ مثال کے طور پر میک آرڈل ہی ہیں، میں قطعی طور سے جانتا ہوں کہ وہ کہاں ہیں

ان کا چہرہ لکھنے کی میز پر ہوگا اور انکا ہاتھ ٹیلیفون پر، جیسا کہ میں نے انکو
کرتے بھی سنا تھا۔ ایڈیٹر بو آن بھی میں سمجھتا ہوں کہ اس نیلے اور سرخ
رومی قالین پر پڑے ہوں گے۔ جو ان کی تقدس گاہ میں بچھا رہتا تھا۔
اور خبر رسانوں کے کمرے میں میک ڈونا، مرے اور باؤنڈ بھی یقیناً اپنا
کام کرتے مرے ہونگے۔ ان کے ہاتھوں میں اپنی بیاضیں ہونگی جن میں
عجیب عجیب اثرات اور واردات قلمبند ہوں گے۔ میں سمجھ سکتا ہوں کہ کسطرح
سے دل میں ایک رپورٹ ڈاکٹروں کے پاس بھیجی گئی ہوگی، ایک وسٹ منسٹر
میں اور دوسری سینٹ پال کے گرجا میں۔ کیا کیا زبردست سرخیاں قطار
در قطار لکھی ہونگی۔ جن کی قسمت میں کبھی چھپنا مقدر نہ ہوا ہوگا۔ ڈاکٹروں
والی رپورٹ میں میک ڈونا نے جو لکھا ہوگا میں اسکی تصویر کھینچ سکتا ہوں
"ہارلے اسٹریٹ میں امید" "مسٹر سوبے ولسن سے ملاقات" - "مشہور ماہر
کہتا ہے، نا امید نہو" - "ہمارے نامہ نگار خصوصی نے مشہور سائنس داں
کو چھت پر بیٹھے پایا۔ جہاں وہ اسلئے چلے گئے تھے کہ ان خوفزدہ بیماروں
کے جم غفیر سے بچ سکیں جو ان کے مکان پر چڑھ آئے تھے۔ ایک ایسی انداز
سے جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ موقع کی اہمیت کا پورا پورا احساس رکھتے ہیں
اُن مشہور طبیب نے اس کے ماننے سے انکار کیا کہ اب کسی طرف سے
امید باقی نہیں رہی" - میک نے یوں ہی لکھا ہوگا۔ پھر باؤنڈ نے غالباً
سینٹ پال کے گرجا کو لکھا ہوگا۔ وہ اپنے کو ادیب سمجھتے تھے۔ عجب نہیں
جو یوں لکھا ہو:-

گنبد کے نیچے بارہ دری میں کھڑے ہوئے، اور اُس مایوس جمِ غفیر پر نظر ڈالتی ہوئے جو اس آخری وقت میں ایک ایسی قدرت کے سامنے جس کو وہ اب تک عمداً بھولے ہوئے تھے اس انبوہ ہی گریہ وزاری اور تضرع کی، اور اس وہم و گمان سے بالاتر ہستی کی طرف استعانت و استمداد کی، ایسی دردناک آواز اٹھی کہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ " وعلیٰ ہذا

واقعی میرے جیسے ایک رپورٹر کیلئے اس سے بڑھکر اور کیا انجام ہوسکتا ہے۔ اگرچہ یہ خرافے بے استعمال ہی رہینگے۔ وہ بیچارا بانڈ کیا کچھ نہ دیتا اگر میرے جیسے کالم کے نیچے اس کو ج۔ ہ۔ ب، لکھنے کا موقع دیا جاتا؟

لیکن میں کیا خرافات لکھ گیا۔ یہ محض وقت کاٹنے کیلئے۔ مسز جے لیجر اندرونی لباس خانے میں چلی گئیں ہیں۔ اور پروفیسر صاحب یہ کہتے ہیں۔ کہ وہ سو رہی ہیں وہ خود بیچ کی میز پر بیٹھے اسطرح یادداشت لکھ رہی ہیں اور کتابیں دیکھ رہے ہیں، کہ گویا انکے سامنے کام کرنے کیلئے برسوں موجود ہیں۔ جس پر کے قلم سے وہ لکھ رہے ہیں۔ وہ شور بہت مچاتا ہے گویا ان لوگوں سے بیزاری ظاہر کر رہا ہے۔ جو اس سے اختلاف رکھتے ہیں۔

سمرلی صاحب اپنی کرسی پر دراز ہو گئے ہیں اور وقتاً فوقتاً عجیب قسم کے خراٹے لیتے رہتے ہیں۔ لارڈ جان اپنی جیبوں میں ہاتھ ڈالے اور آنکھیں بند کئے پڑے ہوئے ہیں۔ واقعی ایسے حالات میں لوگوں کا سونا میری سمجھ سے باہر ہے۔

صبح کے ساڑھے تین بجے ہیں۔ میں ابھی چونک کر اٹھا ہوں۔ جب جب میں نے آخری یاد داشت درج کی تھی تو گیارہ بجکر پانچ منٹ تھے مجھے یاد ہے کہ اسوقت گھڑی کو کی تھی۔ اور وقت درج کر لیا تھا۔ تو گویا اپنے بقیہ عرصۂ زندگی میں سے میں نے پانچ گھنٹے کے قریب ضائع کر دیئے۔ اسپر کس کو یقین آسکتا تھا، لیکن اب میں تازگی محسوس کرتا ہوں اور انجام کیلئے تیار ہو گیا ہوں۔ یا یوں کہئے کہ اپنے ذہن میں خود کو تیار سمجھتا ہوں اس پر بھی جسقدر آدمی تیار تر ہوتا ہے اور جسقدر اسکا معیار زندگی بلند تر ہوتا ہے اسی قدر وہ موت سے گھبراتا ہے۔ فی الواقع فطرت کا یہ اصول کیسا پراز حکمت و رحمت ہے کہ انسان کی اس دنیاوی زندگی کا لنگر بالعموم چھوٹی چھوٹی بہت سی غیر محسوس کششوں سے کٹ جاتا ہے یہاں تک کہ اسکا شعور اس ناقابل رہائش دنیاوی بندرگاہ سے چلکر آخرت کے بحرِ ناپیدا کنار میں جا پڑتا ہے۔

مسٹر چے لنجر ابھی تک لباس خانے میں ہیں۔ چے لنجر اپنی کرسی پر سو گئے ہیں۔ کیا ہی تصویر ہے! انکا عظیم جثہ پیچھے کو جھکا ہوا ہے ان کے زبردست بالدار ہاتھ سینے پر بندھے ہیں اور انکا سر کچھ اسطرح واقع ہوا ہے کہ ان کے کالر کے اوپر سوائے گھنی داڑھی کے اور کچھ نظر نہیں آتا۔ وہ اپنے ہی خراٹوں سے مرتعش ہو رہے ہیں۔ سمر لی بھی بیچ بیچ میں چے لنجر کے نیچی، گہرے سُر کے ساتھ ساتھ اپنا اونچا سُر ملاتے جاتے ہیں۔ لارڈ جان بھی سو رہے ہیں۔ بید کی کرسی پر ایک کروٹ

پردہ دہرائے ہوئے ہیں۔ صبح کی سرد روشنی کمرے میں چھن چھن کے آرہی ہے اور ہر چیز خاکستری اور ماتم کناں معلوم ہوتی ہے۔

میں اب طلوعِ صبح کو دیکھتا ہوں۔ایسی صبح جو ایک غیر آباد دنیا پر طلوع ہوئی۔ نسل انسانی ختم ہو چکی ہے۔ایک ہی دن میں اسکا خاتمہ ہوگیا۔لیکن سیارے ابھی تک رواں ہیں۔ اور موجوں میں وہی مدوجزر ہے، ہوا اسی طرح زفیل بجاتی ہے اور کل فطرت علیٰ حالہٖ نظر آتی ہے جتنے اکہ امیبا تک موجود ہے اور نہیں موجود تو وہ جو اپنے آپ کو اشرف المخلوقات کہتا تھا۔معلوم ہوتا تھا کہ اس کے وجود نے کائنات میں ظہور ہی نہیں کیا نیچے صحن میں آسٹن ہاتھ پھیلائے پڑا ہے۔صبح کی سفیدی میں اسکا چہرہ دمک رہا ہے۔ اور اس کے مردہ ہاتھ میں ابھی وہ کپتی ہے۔کل نسل انسانی کا انجام اس نیم مضحک اور نیم دردناک لاش میں نظر آتا ہے جو اس بیچارگی کے عالم میں اس مشین کے پاس پڑی ہے۔جسپر کبھی اسکو قابو حاصل تھا۔

اسوقت جو میں نے یادداشت لکھی تھی۔ وہ یہاں ختم ہو جاتی ہے اسکے بعد واقعات اسقدر جلد رونما ہوئے اور ایسے زبردست تھی۔کہ لکھنے کا موقعہ نہ ملا۔لیکن وہ میرے حافظے میں اسطرح محفوظ ہیں۔کہ ہر تفصیل پیشِ نظر ہے۔

میرے حلق میں جو پھندا سا معلوم ہوا۔ تو میں نے آکسیجن کے پیپوں کو دیکھا اور جو کچھ میں نے دیکھا۔اس پر چونک پڑا۔ہماری زندگی

بہت تنگی سے گزر رہی تھی۔ رات کو کسی وقت جے لنجر نے تیسری کے بعد چوتھا پیپہ کھولدیا تھا۔ اب یہ نظر آتا تھا کہ یہ بھی ہو چلا۔ پھر وہی گھٹن مجھے محسوس ہونے لگی۔ میں جھپٹا اور ٹونٹی کو کھول کے آخری پیپے پر لگا دیا۔ لیکن جب میں لگا چکا تو میرے ضمیر نے مجھے ملامت کی۔ کیونکہ میں نے محسوس کیا کہ اگر اپنا ہاتھ روک لیتا تو شاید سب کے سب اپنی نیند میں گزر جاتے لیکن اندر والے کمرے سے خاتون کی آواز نے یہ خیال دور کر دیا۔

"جارج! جارج! میں گھٹ رہی ہوں!"

"مسز جے لنجر اب سب ٹھیک ہو گیا" میں نے جواب دیا۔ اور اتنے میں دوسرے بھی اٹھ کھڑے ہوئے "میں نے ابھی تازہ گیس کھولدی ہے!"

ایسے موقعہ پر بھی میں جے لنجر پر ہنسنے سے باز نہ رہ سکا۔ ان کی ہر آنکھ پر بالوں کا ایک گچھا سا نظر آیا گویا وہ ایک بڑے داڑھی والے بچے ہیں۔ جو سوتے سے اٹھا دیا گیا ہو۔ سمر لی اسطرح کانپ رہے تھے، جیسے کوئی تپ لرزہ میں مبتلا ہو۔ جب انہوں نے اپنی حالت کا اندازہ کیا تو انسانی خوف تھوڑی دیر کیلئے ان کی علمیت پر غالب آ گیا۔ لارڈ جان البتہ ایسی ہی چاق و چوبند تھے کہ گویا وہ شکار پر جانے کیلئے اٹھے ہیں۔ پیپہ کیطرف نظر ڈال کے کہنے لگے:۔

"پانچواں اور آخری۔ میاں صاحبزادے! ایں! کیا آپ گھٹنے

پر کاغذ رکھے اپنے خیالات اور اثرات قلمبند کر رہے تھے۔"

"ہاں یونہی وقت گزارنے کیلئے کچھ لکھ لیا۔"

"کیا مضائقہ - لیکن میں سمجھتا ہوں کہ سوائے آئرستانی کے دوسرے سے بن بھی نہ پڑتا - مجھے یہ توقع ہے کہ آپ کو اسوقت تک انتظار کرنا پڑیگا - جبتک ہماری برادرِ خورد امیسیا صاحب بڑھ بڑھا کر تیار نہو جائیں ورنہ کوئی آپ کو پڑھنے والا نہ ملیگا - ہاں، پروفیسر صاحب! فرمائیے، اب کیا صورتِ حالات ہے؟"

چے لنجر صبح کے ان بڑے بڑے لکہ ہائے کہر کو دیکھ رہے تھے جو سارے منظر زار پر چھائے ہوئے تھے، اس اونی سمندر میں سبزپوش پہاڑیاں کہیں کہیں مخروطی جزیروں کی طرح دکھائی دے رہی تھیں۔

"ممکن ہے کہ کفن ہو" مسز چے لنجر نے کہا، جو اب لباس پہنے داخل ہوئیں۔ "جارج تمہارا وہ گیت یاد آتا ہے کہ پرانے کو چھوڑو نئے کو سراہو، واقعی کسقدر ملہما نہ تھا - لیکن میرے دوستو آپ تو کانپ رہے ہیں - میں تو رات بھر اوڑھے پڑی رہی اور آپ لوگ کرسیوں پر سر دیا یا کیے، لیکن ٹھیرئیے میں ابھی ٹھیک کیے دیتی ہوں۔"

وہ بیچاری جلدی سے چلی گئی اور تھوڑی دیر میں ہمیں کیتلی کی سرسراہٹ سنائی دی - اتنے میں کیا دیکھتے ہیں کہ وہ ایک کشتی میں کوکو کی پانچ گرم گرم پیالیاں لئے چلی آرہی ہیں - اور کہنے لگیں:-

"لیجئے پیجئے - اس سے آپ بہتر ہو جائینگے۔"

چنانچہ ھنے نیم پیا، سمرلی نے اپنا چبوک سلگانے کی اجازت چاہی، اور ہم سب کے پاس سگرٹ تھے' اس سے ہمارے حواس ذرا ٹھکانے ہوئے، لیکن اس میں غلطی یہ ہوئی کہ اس نے دھوئیں کو اور بھی غلیظ کر دیا، چے لنجر کو بادگیر کھولنا پڑا۔

"چے لنجر صاحب! کب تک؟" لارڈ جان نے پوچھا،

"شاید تین گھنٹہ تک" انہوں نے جواب دیا

"میں پہلے ڈرا کرتی تھی" ان کی اہلیہ نے کہا "لیکن جتنا میں قریب ہوتی جاتی ہوں، اتنا ہی آسانی ہوتی جاتی ہے۔ جارج! کیا ہمیں اس وقت عبادت نہ کرنا چاہیئے؟"

"تمہارا جی چاہے تو کرو" اس مرد بزرگ نے نہایت نرمی سے جواب دیا "ہم سب کا طریقۂ عبادت جداگانہ ہے، میرے لئے تو یہی کافی ہے کہ جو کچھ قسام ازل نے مقدر کر دیا، میں اسی پر کامل طور سے راضی ہوں، اور اسی میں خوش ہوں۔ اس نقطہ پر اعلیٰ سے اعلیٰ مذہب اور اعلیٰ سے اعلیٰ سائنس دونوں متفق نظر آتے ہیں۔"

"میں اپنی ذہنی کیفیت کو صحیح صحیح بیان کروں۔ تو اسے رضا تو نہ کہونگا اور خوشی سے راضی برضا کا تو کیا ذکر" سمرلی نے کہا، "میں تو اس لئے راضی ہوں کہ اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ورنہ اگر کھریا کے طبقوں کی تقسیم ختم کرنے کیلئے مجھے ایک سال کی زندگی اور مل جاتی تو اور بھی اچھا تھا۔"

"آپ اپنے غیر مختتم کام کو کہتے ہیں۔ وہ تو کیا چیز ہے" چے لنجر نے تمکنت سے کہا "ابھی میرا کارنامۂ عظیم "مُسلّم الحیات" تو ابتدائی منزلوں میں ہے۔ میرا دماغ، میرا مطالعہ، میرا تجربہ غرضیکہ میری کل متاعِ علمی اس انقلاب انگیز جلا میں جمع ہونیوالی تھی، لیکن اس پر بھی میں راضی برضا ہوں۔"

"مجھے یقین ہے کہ ہم سب کا کچھ نہ کچھ کام رہ گیا ہے،" لارڈ جان نے کہا "میاں صاحبزادے آپ اپنی کہئے؟"

"میں ایک دیوان کی ترتیب میں مصروف تھا" میں نے جواب دیا

"خیر دنیا اس سے بچ ہی گئی" لارڈ جان نے کہا "اگر آپ چاروں طرف نظر ڈالینگے، تو تلافیٔ مافات ضرور نظر آئے گی"

"آپ اپنی تو کہئے؟" میں نے پوچھا

"بخت اتفاق سے میں ملبوس ہو کر بالکل تیار بیٹھا تھا۔ میں نے میری ڈیل سے وعدہ کیا تھا، کہ بہار میں تبت چلکر برفستانی تیندوے کا شکار کریں گے، لیکن مسٹر چے لنجر! آپ پر تو یہ بہت ہی گراں ہوگا، آپ نے ابھی یہ خوبصورت سا مکان تیار کیا ہے"

"جہاں جارج ہوں، وہیں میرا گھر بھی سمجھئے لیکن ہاں، اے کاش! کہ ہم دونوں کو پھر ان خوبصورت مرغزاروں میں گشت کرنے کا موقعہ ملتا"

ہمارے دلوں میں ان کے الفاظ کی صدا بازگشت اٹھی

سورج ان جالی گھروں کو چیر کر نکل آیا تھا، اور اب وسیع کوہسار پر زرد زرد روشنی پھیل گئی تھی، اس تاریک اور مسموم فضا میں بیٹھے ہم کو وہ صاف، ہوادار میدان بہت ہی بھلا معلوم ہوتا تھا۔ مسز چے لنجر نے اسکی آرزو میں ہاتھ پھیلا دیئے۔ ہم سب نے کرسیاں گھسیٹ کر کھڑکی کے گرد ایک حلقہ سا بنا لیا، فضا پہلے ہی سے بہت غلیظ تھی، مجھے تو یہ معلوم ہوتا کہ ہم جو اپنی نسل کی آخری یادگار ہیں۔ موت کے سائے میں لگتے جاتے ہیں، یا ایک غیر مرئی پردہ ہمارے اوپر چاروں طرف سے پڑتا جاتا ہے۔

" یہ پیپہ تو کچھ ٹھیک کام نہیں دے رہا ہے" لارڈ جان نے ایک لمبا سانس لیکر کہا

" ہاں مقدار مختلف ہوتی ہے" چے لنجر نے کہا " اور یہ اسپر منحصر ہے کہ کس دباؤ پر اور کس احتیاط کے ساتھ گیس بند کیگئی۔ میں بھی آپ کی تائید پر مائل ہوں، کہ واقعی اس میں نقص ہے"

" تو ہمیں اپنی زندگی کے آخری گھنٹے میں یوں دھوکا اٹھانا پڑا" سمرلی نے تلخکامی سے کہا " واقعی جس زمانے میں ہم نے اپنی عمریں گزاریں اس کا کیا ہی اچھا نمونہ ہے۔ ہاں، چے لنجر صاحب! اب آپ کیلئے وقت آیا، کہ آپ طبیعی تحلیل کا مطالعہ بطور مظہر ذہنی کے کر سکیں"

" میرے گھٹنوں کے پاس اسٹول پر بیٹھ جاؤ اور مجھے اپنا ہاتھ دو" چے لنجر نے اپنی بیوی سے کہا " میرے دوستو! میرے خیال

میں اس ناقابلِ برداشت فضا میں مزید توقف ہرگز مناسب نہیں۔ کہو، جانِ من!
تم بھی اس کو نہ پسند کرو گی؟"

ان کی اہلیہ نے ایک سسکی بھری اور اپنا سر ان کے گھٹنوں پر رکھدیا
"میں نے لوگوں کو جاڑوں میں سرپنٹائن میں نہاتے دیکھا ہے" لارڈ جان
نے کہا "جب سب کود چکتے ہیں تو ایک آدھ کنارے کھڑی کانپا کرتے
ہیں، ان کو غوطہ لگانیوالوں پر رشک آتا ہے۔ انہیں ہچکچانیوالوں کی
بری حالت ہوتی ہے۔ میں تو ایک ہی مرتبہ میں ختم کر دینے کا حامی ہوں"

"تو آپ کھڑکی کھول کے اثر کا مقابلہ کرینگے؟"

"گھٹ کر مرنے سے تو وہ زہر ہی اچھا"

سمرلی نے بھی بادلِ ناخواستہ اپنی رضامندی ظاہر کی اور چے لنجر کیطرف
اپنا ہاتھ بڑھایا۔ کہنے لگے:۔

"ہم آپس میں اکثر جھگڑتے رہے ہیں لیکن اب یہ آخری وقت ہے۔ ہم ایک
دوسرے کے اچھے دوست تھے اور ایکدوسرے کے باطن کی عزت کرتے
خیر، اب خدا حافظ"

"خدا حافظ، میاں صاحبزادے" لارڈ جان نے کہا "کھڑکی تختہ کی ہوئی
ہے، آپ اسے کھول نہیں سکتے"

چے لنجر جھکے اور اپنی اہلیہ کو اٹھا کر سینے سے لگا لیا، انہوں نے اپنی
باہیں ان کے گلے میں ڈالدیں۔

"مے لون! ذرا مجھے دوربین دینا" چے لنجر نے متانت سے کہا

"اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ط" انہوں نے اپنی رعد آسا آواز میں کہا، اور یہ کہہ کے دوربین کھڑکی پر پھینک ماری۔

کھڑکی کے ٹکڑوں کے گرنے کی آواز کے ختم سے پہلے ہماری چہروں تک تیز اور خوشگوار ہوا کے جھونکے لگی۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ ہم کبتک اسطرح تحیّر میں غرق بیٹھے رہے۔ پھر جیسے خواب میں سنائی دی، میں نے چے لنجر کی آواز ایک مرتبہ پھر یوں کہتے سنی۔

"ہم پھر طبعی حالات میں آ گئے، دنیا حلقۂ سموم سے نکل گئی۔ لیکن بنی نوعِ انسان میں سے صرف ہم ہی بچے ہیں۔"

پانچواں باب

مُردہ دُنیا

مجھے یاد ہے کہ ہم سب اپنی کرسیوں پر منہ کھولے بیٹھے تھے، وہ خوشگوار جنوب مغربی نسیم، تازہ تازہ سمندر سے آتی چل رہی تھی۔ اور ململ کے پردوں کو تھپیڑے دے رہی تھی اور ہماری چہروں کو ٹھنڈا کر رہی تھی۔ مجھے اب تعجب ہوتا ہے کہ کتنی دیر تک ہم یوں ہی بیٹھے رہے۔ ہم میں سے کوئی بھی اس امر پر متفق نہ ہو سکا۔ ہم بالکل ششدر، حیران اور سکتے کے عالم میں تھے، ہم سب نے تو موت کیلئے اپنے آپ کو تیار کر رکھا تھا۔ لیکن

یکایک یہ خوفناک واقعہ پیش آیا۔ کہ ہم کو ابھی اور زندہ رہنا ہے۔ اگرچہ ہماری نوع پوری تباہ ہو چکی۔ اس احساس نے ہمیں اور بھی صدمہ پہنچایا اور ہم بالکل مبہوت ہو گئے۔ پھر آہستہ آہستہ ہمارے معطل حواس کام دینے لگے حافظہ کے کل پرزے درست ہونے لگے۔ ذہنوں میں خیالات مجتمع ہونے لگے۔ اب ہم کو نہایت واضح طور سے ماضی، حال اور مستقبل میں تعلق نظر آنے لگا۔ یعنی یہ کہ کسطرح ہم نے ابتک زندگی بسر کی اور کسطرح ہمیں آیندہ بسر کرنا پڑیگی۔ جب ہم نے ایکدوسرے پر خوفزدہ ہو کر نظر ڈالی تو سب کی نظروں نے یہی جواب دیا۔ بجائے اس کے کہ اسطرح موت کے پنجے سے بچ نکلنے پر ہم کو کچھ خوشی ہوتی ہم سب پر ایک سخت اضمحلال طاری ہو گیا۔ اس زمین پر ہم کو جس چیز سے بھی اُنس تھا وہ اس عظیم، نامحدود اور نامعروف سمندر میں جا ڈوبی، اور ہم اس جزیرہ دنیا کے ساحل پر آ لگے جہاں نہ کوئی انیس ہے نہ جلیس ہے۔ نہ کوئی امنگ ہے نہ کوئی ترنگ ہے۔ بس یہی ہو گا کہ گیدڑوں کیطرح ہم بھی چند برسوں تک نسل انسانی کی قبروں میں پھرا کرینگے اور پھر ہمارا انجام بھی آ پہنچے گا۔ چنانچہ وہ خاتون سسکیاں بھر بھر کے کہنے لگیں۔

"جارج! یہ تو بہت غمناک ہوا، بہت غمناک۔ اگر ہم سب کے ساتھ گزر جاتے تو کیا اچھا ہوتا۔ تم نے ہمیں ناحق بچایا۔ مجھے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ مرے ہم ہیں اور باقی ہر شخص زندہ ہے۔"

چیپ لنجر کی گھنی ابروئیں غور و فکر میں ملی ہوتی تھیں اور ان کے

زبردست بالدار ہاتھ نے اپنی اہلیہ کا بڑھا ہوا ہاتھ پکڑ لیا۔ میں نے یہ دیکھا
کہ ہر مصیبت کے وقت وہ اسطرح ہاتھ بڑھا دیا کرتیں جیسے کوئی بچہ اپنی ماں
کی طرف ہاتھ بڑھائے۔

"بغیر اس کے کہ ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھ جانے کی حدتک جبریہ بنوں" جج لنجر
نے کہا "میں نے یہ ہمیشہ پایا ہے کہ سعادت انسانی اسی میں ہے کہ امر واقع میں
راضی برضا رہے" وہ آہستہ آہستہ بول رہے تھے اور ان کی زوردار آواز میں
ایک طرح کا ارتعاش تھا۔

"میں راضی نہیں ہوتا" سمرلی نے زور دے کر کہا

"میں نہیں سمجھتا کہ آپ راضی ہوئے تو کیا۔ اور راضی نہ ہوئے تو کیا" لارڈ
جان نے کہا "تسلیم و رضا پر تو آپ مجبور ہیں خواہ آپ اسے مخاصمانہ قبول
کریں یا متابعانہ۔ تو ایسی صورت میں آپ کا راضی ہونا نہ ہونا برابر ہے۔ مجھ
تو یاد نہیں کہ اس آفت کے شروع ہوتے وقت کسی نے ہماری اجازت
لی ہو۔ اور نہ کوئی اب لیگا۔ پس ہماری موافقت یا مخالفت سے اس میں کیا
فرق پڑے گا؟"

"وہی فرق جو خوشی و راحت اور رنج و محن میں ہوتا ہے" جج لنجر نے
فلسفیانہ انداز سے کہا جو ابھی تک بیوی کا ہاتھ لئے ہوئے تھے "اگر آپ لہر
کے ساتھ چلیں تو آپ کے قلب میں اطمینان و سکون ہوگا اور اگر آپ
اسکا مقابلہ کرینگے تو آپ کو ضرر پہنچیگا۔ اور آپ درماندہ ہو کر رہ جائینگے
یہ واقعہ ہمارے بس کا نہیں۔ بس ہم اس سے راضی کیوں نہ ہو جائیں

اور پھر اس کا ذکر ہی چھوڑ دیں۔"

"لیکن اب دنیا میں ہم اپنی زندگی لے کر کیا کریں" میں نے اُس نُنسبد نیلگوں کیطرف دیکھکر کہا "مثال کے طور پر بتایئے میں کیا کروں اخبار تو کوئی رہا نہیں بس میرے پیشے کا خاتمہ"

"اور چونکہ شکار کرنے کیلئے کچھ نہ رہا اور نہ سپہگری باقی رہی اسلئے میرا پیشہ بھی ختم" لارڈ جان نے کہا

"چونکہ طالب علم بھی باقی نہ رہے۔ اسلئے میرا قصہ بھی ختم" سمرلی بولے

"لیکن میرے لیئے میرے شوہر ہیں اور میرا مکان ہے اسلئے خدا کا شکر ہے کہ میرا کام ختم نہیں ہُوا" خاتون نے کہا

"اور نہ میرا کام ختم ہُوا" چے لنجر بول اٹھے "کیونکہ سائنس ابھی زندہ ہے اور خود اس مصیبت نے ہماری تحقیق کیلئے کئی زبردست مسئلے پیدا کر دیئے ہیں"

انہوں نے اب کھڑکیاں پوری کھول دی تھیں۔ اور ہم اس پُرسکون اور بےحرکت منظر کو دیکھنے لگے

"ذرا مجھے سوچنے دیجئے" انہوں نے بسلسلہ سابق کہا "کوئی تین بجے یا کچھ بعد کا عمل ہوگا کہ کل سہپہر کو دنیا بالآخر حلقہ مسموم میں داخل ہوئی۔ یہانتک کہ پوری اسمیں غرق ہوگئی۔ اب نو بجے ہیں سوال یہ ہے کہ کس وقت ہم اس حلقہ سے باہر نکلے؟"

"صبح کے وقت تو ہوا بہت خراب تھی" میں نے کہا

" اس کے بعد بھی مسٹر چے لنجر نے کہا " آٹھ بجے تک مجھے گلے میں وہی بندش محسوس ہوتی تھی جو شروع میں معلوم ہوئی تھی "

" تو ہم یوں کہینگے کہ ٹھیک آٹھ بجے کے بعد وہ حلقے سے نکل گئی پس سترہ گھنٹے تک دنیا مسموم اثیر میں ڈوبی رہی۔ اتنی مدت کیلئے باغبانِ ازل نے اپنی ثمر پر سے وہ انسانی قالب ہٹا دیا۔ جو ثمر پہ چھا جانیوالے تھا۔ ممکن ہے کہ یہ کام پوری طور سے عمل میں نہ آیا ہو اور ہمارے علاوہ دوسرے بھی بچ گئے ہوں ؟ "

" اسی پر میں بھی غور کر رہا تھا " لارڈ جان نے کہا " صرف ہم ہی باقی ماندہ سنگریزوں میں کیوں شمار ہوں "

" یہ خیال کرنا کہ ہمارے علاوہ کوئی اور بھی بچ رہا ہے سراسر حماقت ہے " سمرلی نے تیقن کے ساتھ کہا " خیال تو کیجیے کہ سمیت اتنی زبردست تھی کہ آدمی چاہے بیل کیطرح کیوں نہ مضبوط ہو، اور سے لون کیطرح چاہے لوہے کا کیوں نہ بنا ہو لیکن آپ نے دیکھا کہ زینے پر چڑھتے چڑھتے ہی یہ بیہوش ہو گئے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ ایسی حالت میں کوئی سترہ گھنٹہ تو کجا سترہ منٹ بھی زندہ رہا ہو ؟ "

" بشرطیکہ اس کو کسی نے آتے نہ دیکھ لیا ہو اور ہمارے مہربان چے لنجر کیطرح اس کیلئے تیار نہ کر لی ہو "

" میرے نزدیک اس کا گمان بہت کم ہے " چے لنجر نے داڑھی آگے بڑھا کے اور آنکھیں دبا کے کہا " مشاہدہ، استاج، اور پیش بینی

تخیل کا اجتماع، جسنے مجھے اس خطرے کو محسوس کرنے کے قابل بنایا مشکل ہی سے ایک نسل میں دو جگہ موجود ہوتا ہے"

"تو آپ یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ ہر شخص مر ہی گیا؟"

"اس میں شک کی گنجائش کیا۔ ہم کو یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ زہر نیچے سے اوپر چلا ہے اور ممکن ہے کہ کرۂ ہوا کے بالائی طبقوں میں اتنا زبردست نہو۔ اگر ایسا ہوا بھی تو تعجب کا مقام ضرور ہوگا۔ لیکن یہی وہ مسائل ہیں جو ہمارے مطالعہ کا دلکش موضوع ہونگے۔ پس اگر ہم کو پس ماندگاں کی تلاش کرنی ہے تو ہمیں سب سے زیادہ کامیابی کی امید کسی تبتی قریہ یا کسی آلپی گاؤں ہی میں ہو سکتی ہے جو سطح سمندر سے ہزاروں فیٹ بلند ہیں"

"چونکہ نہ کوئی ریل کی پٹریاں بچھی ہیں اور نہ کوئی جہاز چلتے ہیں اسلئے آپ کہہ سکتی ہیں کہ چاند پر بھی پس ماندے ہونگے" لارڈ جان نے کہا "لیکن جو سوال میرے دل میں پیدا ہو رہا ہے وہ یہ ہے کہ کیا واقعی یہ قصہ ختم ہو گیا یا ابھی آدھا وقت گزرا ہے"

سمرلی نے افق پر نظر ڈالنے گردن ذرا لمبی کی۔ ذرا رک رک کے کہنے لگی "کیسا صاف اور خوشگوار معلوم ہوتا ہے۔ لیکن کل بھی یہی حالت تھی۔ مجھے تو ابھی تک اسکے ختم ہونے کا یقین نہیں آیا"

چیلنجر نے شانے ہلائے اور کہنے لگی "ہم کو پھر ایک دفعہ جبر تبیّن پر آجانا چاہیئے۔ اگر دنیا پر یہ وقت پہلے بھی گزرا ہے اور یہ خارج از امکان نہیں تو وہ وقت اب سے بہت پہلے گزرا ہوگا اسلئے ہم بلاخطرہ یہ توقع کر سکتے ہیں

کہ اسکے دوبارہ وقوع کیلئے بہت عرصہ چاہئے۔"
"یہ سب کچھ تو ٹھیک" لارڈ جان نے کہا "لیکن اگر آپ ایک زلزلہ محسوس کریں تو اس کا امکان بہت ہوتا ہے کہ اسی کے بعد دوسرا بھی محسوس ہو میری نزدیک ٹانگیں پھیلانا اور جبتک ہوسکے ہوا میں سانس لینا بہت ہی مناسب ہوگا۔ چونکہ ہماری آکسیجن بھی ختم ہوگئی ہے اسلئے جیسے اندر ویسے باہر"

پچھلے چوبیس گھنٹوں کے زبردست ہیجانات کے بعد ہم پر جو کامل سستی طاری ہوگئی تھی وہ عجیب و غریب تھی۔ یہ سستی دماغی اور جسمانی دونوں طرح کی تھی۔ گویا اندرونِ دل میں یہ بات جم گئی تھی کہ اب کسی بات میں بھی مضائقہ نہیں بلکہ ہر چیز اب درماندگی کا باعث اور بے سود کوشش ہے۔ چے لنجر تک پر اس کا اثر تھا۔ وہ کرسی پر بیٹھے تھے۔ ان کا بڑا سا سر ان کے ہاتھوں پر تھا اور ان کے خیالات نہ جانے کسقدر دور کے تھے۔ حتیٰ کہ لارڈ جان اور میں نے دونوں نے ایک ایک ہاتھ پکڑ کے ان کو پاؤں پر کھڑا کیا۔ اس محنت کا ثمرہ جو ہمیں ملا وہ صرف غراہٹ اور گھورنے کی صورت میں "بہرحال جب اپنی تنگ پناہگاہ سے نکل کے ہم روزمرہ کی فضا میں آگئے تو ہماری طبعی توانائی پھر رفتہ رفتہ عود کر آئی۔

لیکن اب اس قبرستانِ دنیا میں ہمارے کرنے کیلئے تھا ہی کیا؟ کیا ابتدائے آفرنیش سے کبھی انسان پر ایسا وقت گزرا ہے؟ یہ صحیح ہے

کہ ہماری طبعی ضروریات جتنی کہ ہمارا تعیش بھی آئندہ کیلئے محفوظ تھا کیونکہ
کھانے کے سارے انبار خانے، ہر طرح کی شراب کے ذخیرے، اور
فنونِ لطیفہ کے جملہ خزانے ہمارے لینے کیلئے موجود تھے۔ لیکن ہم انکا
کرتے کیا؟ بعض کام جو بوجہ قریب ہونے کے فوری ہو سکتے تھے۔ ہمارے
سامنے آئے۔ چنانچہ ہم اتر کر باورچیخانہ میں گئے اور دونوں نوکروں
کو اپنی اپنی پلنگ پر لٹا دیا۔ معلوم ہوتا تھا کہ وہ بغیر تکلیف کے مر گئے تھے
ایک تو آگ کے پاس کرسی پر بیٹھا بیٹھا رخصت ہوا اور دوسرے نے
باورچیخانہ کے فرش پر جان دی۔ پھر ہم بیچارے آسٹن کو صحن میں سے
اٹھا لیگئے۔ اس کے پٹھے اسقدر تنے ہوتے تھے کہ گویا شدید تشنج کا دورہ پڑا
ہے۔ اور رگوں کے کھچنے سے منہ کچھ ایسا بنگیا تھا کہ گویا منہ چڑھا رہا ہے
جو لوگ اس زہر سے مرے تھے۔ سب میں یہی کیفیت پائی جاتی تھی۔ جہاں
ہم جاتے ہم کو یہی منہ چڑھے ملتے جو گویا ہماری ہولناک حالت کا مضحکہ
اڑا رہے تھے اور اپنی نسل کے پس ماندوں کیحالت پر تبسم کناں تھے۔
"دیکھئے حضرات!" لارڈ جان نے کہا، جو تناول خانے میں بے چینی
سے اِدھر اُدھر ٹہل رہے تھے، اسوقت ہم کچھ کھانے میں مصروف تھے" میں
نہیں جانتا کہ آپ لوگوں کو کیسا محسوس ہوتا ہے لیکن میں اپنے لئے تو کہہ
سکتا ہوں کہ میں یہاں خالی بیٹھوں اور کچھ نہ کروں۔ یہ میرے لئے محال ہے۔
تو اتنا اور کرم کیجئے اور یہ فرمائیے کہ آپ کی رائے میں ہمیں کرنا
کیا چاہیئے؟" چیلنجر نے جواب دیا "یہی کہ باہر نکلیں اور دیکھیں کس

کس پر کیا کیا گزری"

"یہی تو میں بھی تجویز کرنیوالا تھا"

"لیکن اس چھوٹے سے دیہات میں نہیں ہم نے کھڑکی ہی سے اس کی ساری کیفیت دیکھ لی ہے"

"تو پھر کہاں چلنا چاہیئے؟"

"لندن!"

"یہ بالکل درست ہے" سمرلی بول اٹھے "آپ تو چالیس میل چلنے کیلئے تیار ہو جائینگے لیکن چے لنجر صاحب کا یقین نہیں۔ انکی ٹانگیں چھوٹی ہیں اور مجھے اپنی بابت تو پختہ یقین ہے"

چے لنجر اسپر بہت چیں بجبیں ہوئے۔ اور چلائے "جناب عالی! آپ اپنے ملاحظات کو اپنی ہی جسمانی خصوصیات تک محدود رکھا کریں تو مجھے یقین ہے کہ تنقید کیلئے آپ کو ایک وسیع میدان ملجائیگا"

"میرے مہربان چے لنجر، میری نیت ناراض کرنے کی نہ تھی" ہمارے بے شعور دوست نے کہا "آپ اپنی جسمانی حالت کے ذمہ وار نہیں اگر فطرت نے ہی آپ کو ایک پستہ اور بھاری بدن دیا ہے تو ٹانگیں چھوٹی نہ رہنے دینا غالباً آپ کے امکان میں نہیں ہے"

چے لنجر مارے غصے کے جواب نہ دے سکے۔ وہ صرف غرایا کئے اور پلکیں مارتے رہے۔ لارڈ جان نے جلدی سے دخل دیا تاکہ قضیہ زیادہ طول نہ پکڑے اور کہنے لگے۔

"آپ پیدل چلنے کی رائے دیتے ہیں۔ لیکن اسکی ضرورت ہی کیا ہے؟"

"تو پھر کیا ریل سے چلنے کی تجویز ہے" چے لنجر نے کہا، جو ابھی تک جوش کھا رہے تھے۔

"موٹر کو کیا ہوا۔ اسمیں کیوں نہ چلیں؟"

"میں اس میں مشتاق نہیں ہوں" چے لنجر نے داڑھی پر ہاتھ پھیر کے کہا "ساتھ ہی اسکے آپ یہ ٹھیک کہتے ہیں کہ ذہن انسانی کو اپنی اعلیٰ صورتوں میں اسقدر لچکدار ہونا چاہئے کہ وہ اپنے آپ کو ہر چیز کے قابل بنا سکے۔ لارڈ صاحب! آپ کا یہ خیال نہایت ہی عمدہ ہے۔ میں خود ہی آپ لوگوں کو لندن لے چلونگا۔"

"آپ ہرگز ایسا قصد نہ کریں" سمرلی نے زور دیکر کہا

"نہیں جارج! نہ کرنا چاہیئے" ان کی اہلیہ بولیں "تم نے صرف ایکمرتبہ چلایا ہے اور اس مرتبہ ہی موٹر خانہ کے پھاٹک سے ٹکر کھائی تھی"

"وہ محض اسوقت عدم اجتماع ذہن کا نتیجہ تھا" چے لنجر نے ذرا مروت سے کہا "تم اس معاملہ کو طے شدہ سمجھو میں ہی سب کو لندن لیچلونگا"

لارڈ جان نے ذرا اسحالت کو بدلا۔ چنانچہ پوچھا "گاڑی کونسی ہے جیسی ہمیں ہے"

"ارے ایسی گاڑی تو میں نے برسوں چلائی ہے" لارڈ جان نے کہا۔ "خدا کی قسم" وہ تھوڑی دیر بعد کہنے لگے "مجھے یہ امید نہ تھی کہ بنی نوع انسان کو ایک کھیپ میں سے چلنے کیلئے زندہ رہونگا۔ جہاں

تک مجھے یاد ہے، ابھی پانچ ہی کی جگہ ہے۔ اپنی اپنی چیزیں سنبھالئے اور میں دس بجے موٹر لیئے دروازہ پر موجود ہونگا"

فی الواقعہ ساعت معینہ پر موٹر پھٹ پھٹاتی اور شور کرتی آموجود ہوئی لارڈ جان موٹربان بنے ہوئے تھے، میں انکے برابر بیٹھ گیا، اور وہ خاتون پیچھے کی نشست پر ان دونوں غصہ وروں کے درمیان چھوٹی سی بی بنکر بیٹھیں۔ اسوقت لارڈ جان نے پہیوں پر سے ضابطہ بریک اٹھا دیئے۔ اپنا بیرم (لیور) پہلے نشان سی تیسرے نشان پر کردیا اور پھر ہم اس عجیب و غریب سفر پر چلے جو ابتدائے آمد آدم سے ابتک کسی نے نہ کیا ہوگا۔

اب آپ دس اگست کے دن، فطرت کی دلکشی کا، نسیم صبح کی تازگی کا، گرما کی دھوپ کی زردی کا، بے ابر مطلع کا، سسکس کے جنگلوں کی سبزی کی فراوانی کا، اور حسن پوش مرغزاروں کے گہرے ارغوانی رنگ کا، نقشہ اپنے ذہن میں کھینچیئے۔ جہاں ایسے گوناگوں اور دلچسپ مناظر پر آپ کی نظر پڑی کہ آپ کے ذہن سے اس بلاء عظیم کا خیال تک محو ہوگیا۔ اگر کسر تھی تو یہی کہ ایک سنجیدہ اور پر ہیبت خاموشی طاری تھی۔ ہر گنجان اور آباد دیہات میں زندگی کا ایک ہمہمہ ہوتا ہے، جو اسقدر گہرا اور مستقل ہوتا ہے کہ محسوس نہیں ہوتا جیسی سمندر کے قریب رہنے والا موجوں کے مستقل شور کا احساس کھو دیتا ہے۔ چڑیوں کا چوں، چوں کرنا۔ کیڑوں کا بھنبھنانا، آوازوں کا دور سے سنائی دینا

ہوٹلیوں کا چلانا، دور سے کتوں کا بھونکنا، ریلوں کا چنگھاڑنا، چھکڑوں اور گاڑیوں کا کھڑکھڑانا۔ یہ سب ملکر ایک پست اور نہ رکنے والی آواز بن جاتی ہیں جو کانوں کو محسوس بھی نہیں ہوتی۔ لیکن اب اسکی کمی محسوس ہوتی تھی۔ یہ موت کی سی خاموشی بہت ہی ہیبت ناک تھی۔ خاموشی اس قدر نمایاں۔ اسقدر پُر شور تھی کہ ہمیں اپنی موٹر کی آواز بھی سمع خراش معلوم ہوتی تھی۔ یعنی اس مقدس سکون و خاموشی میں جو آثار انسانی پر چھائی ہوئی تھی۔ یہ سمع خراشی گستاخی سے کم نہ تھی۔ یہی وجہ تھی کہ جب ہم نے کہسار کے منظر زار پر نظر ڈالی تو اس ہولناک خاموشی اور کہیں کہیں دھوئیں کے بادلوں نے ہمارے دلوں کو سرد کر دیا۔

اس کے علاوہ مردنی الگ تھی سب سے پہلے تو وہ نیم سوختہ منہ چڑھاتے چہرے نظر آئے جنہوں نے ہمیں اپنی دہشت سے لرزا دیا۔ یہ نقشہ جو ذہن میں قایم ہوا تھا کچھ ایسا صاف اور تکلیف دہ سا تھا کہ اشٹیشن پر سے اترنا، دایہ کا دو بچوں کو لئے گزرنا، گاڑی کے ڈنڈوں کے درمیان گھوڑے کا لٹکا ہونا، کوچوان کا اپنی جگہ پر اینٹھ جانا، اندر نوجوان کا گاڑی کے دروازے پر ہاتھ دھرے کود نے کیحالت میں ہونا سب مجھے یاد آ گیا۔ اور سے اتر کر چند کاشتکار تھے جو سب ایک ہی جگہ گرے تھے۔ ان کے اکثر ایک دوسرے پر پڑے ہوئے تھے۔ انکی مردہ اور بے جھپک آنکھیں آسمان کی طرف دیکھ رہی تھیں۔ یہ چیزیں اب بھی ایسی معلوم ہوتی ہیں گویا میں ایک تصویر دیکھ رہا ہوں۔ لیکن تھوڑی ہی دیر میں فطرت کی مہربانی ہی نے

تنے، پٹھے ڈھیلے پڑ گئے، اس المناک افسانہ کی وسعت نے اس کی شخصی حیثیت دور کر دی۔ افراد اب گروہوں میں ضم نظر آئے، گروہ جماعتوں میں ضم ہو گئے اور جماعتیں ایک عالمگیر منظر میں ضم ہو گئیں۔ ہر منظر کی یہی تفصیل نظر آئی۔ اسلئے ان کو امور تقدیری سمجھ لیا، اور خاموشی اختیار کی۔ البتہ کہیں کہیں کوئی خاص طور پر وحشیانہ یا انوکھا نظارہ دکھائی دیتا تو دماغ پر ایک صدمہ گزرتا اور پھر شخصی اور انسانی حیثیت نمایاں ہو جاتی۔

سب سے بڑھکر بچوں کا انجام تھا۔ مجھے یاد ہے کہ اسپر ہم کو ناقابل برداشت ظلم کا زبردست احساس ہوا۔ جب ایک بڑی مدرسے سے گزرے تو ہم نے ان ننھی ننھی سی جانوں کو سڑک پر بکھرے دیکھا۔ اسوقت ہم رو ہی دیتے تھے اور بستے لنچ تو رہی پڑے ہیں۔ ان کے خوفزدہ استادوں نے ان کو چھٹی دیدی تھی۔ اور وہ بیچارے اپنے اپنے گھر جا رہے تھے کہ زہر نے انہیں آلیا۔ مکانوں کی کھلی کھڑکیوں پر بہت سے لوگ نظر آئے اور۔۔۔ ٹمبرج ولس میں تو شاید ہی کوئی صورت ہو گی جو گھورتی اور مسکراتی ہو۔ اخیر وقت ہوا کی ضرورت نے یعنی آکسیجن جسے صرف ہمیں پورا کر سکتے تھے۔ ان کو کھڑکیوں تک جانے پر مجبور کیا۔ بغلی روشوں پر عورتیں اور مرد نظر آئے۔ جو ننگے سر اور ننگے پیر گھر سے باہر نکل آئے تھے۔ بہت سی سڑک ہی پر گر گئے تھے۔ یہ ہماری خوش قسمتی تھی کہ لارڈ جان سماشن ہمارا موٹر بان تھا ورنہ ان لاشوں کو بچا کر چلانا بہت ہی مشکل تھا دیہاتوں اور قصبوں سے گزرتے وقت ہم کو بہت ہی آہستہ چلنا پڑا۔ اور

ایک مرتبہ مجھے یاد ہے کہ جب ٹامبرج کے اسکول کے مقابل پہنچے تو ہم کو رکنا ہی پڑا اور راستہ صاف کرنے کیلئے کچھ دیر تک لاشیں اِدھر اُدھر ہٹانا پڑیں۔

سسکس اور کنٹ کی شاہراہوں پر موت کے جو مناظر ہم کو دکھائی دیئے۔ انمیں چند چھوٹے چھوٹے ابتک میرے حافظے میں مرتسم ہیں۔ ایک تو یہ کہ ٹساؤ تھبرا گاؤں کی سرائے کے دروازے پر ایک بڑی چمکدار موٹر کھڑی تھی۔ جہانتک میرا قیاس گیا مجھے وہ ایک تفریحی جماعت معلوم ہوئی جو برائٹن یا ریسٹر سے واپس آرہی تھی اس میں تین خوش پوش عورتیں تھیں جو سب کی سب نوجوان اور خوبصورت تھیں۔ ایک کی گود میں ایک چینی کتا تھا۔ انکے ساتھ ایک اوباش صورت مسن آدمی اور ایک نوجوان امیرزادہ تھا۔ اسکی آنکھ میں ابھی تک چشم شیشہ لگا ہوا تھا۔ اسکے دستانہ پوش ہاتھ کی انگلیوں میں اسکا سگریٹ پور تک جلگیا تھا۔ موت نے انہیں یکبارگی آلیا ہوگا۔ کیونکہ وہ جیسے بیٹھے تھے ویسے کے ویسے ہی جم گئے تھے۔ گاڑی کے ایک طرف سرائے کا ایک ملازم زینے کے پاس پڑا تھا۔ اور اس کے پاس ہی ٹوٹے گلاس اور ایک کشتی پڑی تھی۔ دوسری طرف دو گدڑی پوش، فقیر ایک مرد و عورت جہاں گرے تھے، وہیں پڑے تھے۔ مرد کا لمبا اور پتلا ہاتھ اب بھی اسی طرح پھیلا ہوا تھا جسطرح کہ وہ اپنی زندگی میں بھیک مانگنے کیلئے پھیلایا کرتا تھا۔ زمانہ کی ایک ہی گردش نے امیرزادہ، ملازم فقیر اور کتے کو بے جان اور تحلیل ہونے والے ہیولیٰ کی ایک ہی

سطح پر کر دیا ہے

بہ یک گردشِ چرخِ نیلوفری ❊ نہ نادر بجا ماند و نے نادری ❊

سات بلوطوں کی لندن جانب چند میل پر کی ایک اور انوکھی تصویر ذہن میں مرتسم ہے، بائیں جانب ایک بڑی خانقاہ ہے جس کے سامنے ایک لمبا اور سبز ڈھال ہے۔ اس ڈھال پر بہت سے مدرسے کے بچے حالتِ دعا میں جمع تھے۔ انکے آگے ایک قطار راہبات کی تھی۔ ڈھال کے ذرا اوپر اور ان سب کیطرف منہ کئے ایک ہی تشکل نظر آئی جس کو ہم نے اُم کنیسہ سمجھا۔ موٹر والے تفریح جُو یون کے خلاف ان لوگوں کو اپنے خطرہ کی اطلاع غالباً مل گئی تھی اسی لئے معلم اور متعلم سب کے سب ایک آخری سبق کیلئے جمع ہوئے اور نہایت شان سے جان دی۔

اس مہیب تجربے کا اثر میرے دماغ پر اب تک باقی ہے۔ مجھے وہ الفاظ نہیں ملتے جن سے اپنی اس وقت کی کیفیت کا نقشہ کھینچ سکوں۔ غالباً بہتری اور دانائی اسی میں ہے کہ اسکی کوشش نہ کروں۔ بلکہ محض واقعات کا اظہار کر دوں۔ سمر لی اور چے لنجر تک بھی انگشت بدنداں تھے چنانچہ اپنے ان ساتھیوں کی آواز تک ہم نے نہ سنی سوائے اس کے کہ وہ خاتون کبھی کبھی آہیں بھرتی۔ لارڈ جان کو چونکہ موٹر چلانی تھی اور ایسی سڑکوں سے راستہ نکالنا تھا کہ انہیں گفتگو کا نہ تو وقت تھا اور نہ ان کی طبیعت مائل تھی۔ بس وہ ایک ہی فقرہ اس تھکا دینے والی کثرت سے دہراتے تھے۔ کہ وہ میرے حافظے میں جسم گیا اور بالآخر میں اسکو قیامت کی تنقید سمجھکر

ہنس پڑا۔

"خوب کیا! کمال ہے!"

بس یہی انکا تکیہ کلام ہو گیا تھا، جہاں کہیں موت و مصیبت نے ایک نئی تصویر پیش کی کہ انکے منہ سے یہ فقرہ نکلا۔ جب ہم رانتھر فیلڈ میں اسٹیشن ہال سے اترے تو اسوقت بھی "خوب کیا! کمال ہے!" سنا اور جب لیے وِدِی تھم کی شاہراہ اور قدیم کنٹ کی سڑک سے ہم اس صحرائے موت سے بچتے بچاتے نکل رہے تھے۔ تو اسوقت بھی "خوب کیا! کمال ہے" سننے میں آیا۔

یہاں تک پہنچ گئے تو ہم کو ایک تحیر خیز صدمہ ہوا۔ ایک چھوٹے سے کونے والے مکان کی کھڑکی سے ایک رومال ایک لمبے پتلے انسانی ہاتھ میں ہلتا نظر آیا۔ غیر متوقع موت کے نظارہ نے ہماری دلوں میں ایسا اختلاج کبھی نہ پیدا کیا تھا جیسا کہ زندگی کی اس علامت کو دیکھکر ہوا، لارڈ جان کونے تک موٹر دوڑا لیگئے۔ اور ایک لمحہ کے اندر ہم لوگ مکان کے کھلے دروازہ میں گھس پڑے اور جلدی سے زینے پر چڑھکر اس دو منزلہ مکان پر پہنچ گئے۔ جس کے کمرے سے وہ رومال دکھائی دیا تھا۔

ایک بہت ہی مسن عورت کھلی کھڑکی کے پاس کرسی پر بیٹھی تھی۔ اور اسکے قریب دوسری کرسی پر آکسیجن کا ایک پیپہ رکھا تھا جو اگرچہ چھوٹا تھا لیکن تھا اسی شکل کا جس نے ہماری جانیں بچائی تھیں جب ہم سب کے سب کمرے کے دروازے میں داخل ہوئے۔ تو اس

تو اس خاتون نے اپنا نحیف و زار اور عینک دار چہرہ ہماری طرف اٹھایا۔
اور کہنے لگیں:-

"میں تو سمجھی تھی کہ میں ہمیشہ کیلئے یہاں چھوٹ گئی کیونکہ میں بیمار ہوں اور ہل نہیں سکتی۔"

"ہاں میڈم" چیلنجر نے جواب دیا "یہ واقعی قسمت کی بات تھی کہ ہم اتفاق سے ادھر سے گزر رہے تھے"

"میں آپ سے صرف ایک نہایت اہم سوال پوچھنا چاہتی ہوں" خاتون نے کہا "حضرات! میرے ساتھ نہایت صاف گوئی سے کام لیجئے گا۔ بتلایئے کہ ان واقعات کا لندن اور شمال مغربی ریلوے کے حصوں پر کیا اثر پڑیگا؟"

ہم ہنس پڑتے اگر ان کی نگاہوں سے جواب کا شدید انتظار نہ ظاہر ہوتا۔ مسز برسٹن (یہ انکا نام تھا) ایک بڑھیا بیوہ تھیں جن کی ساری آمدنی اسی سرمایہ تک محدود تھی، منافعہ کے بڑھنے گھٹنے کے مطابق ان کی زندگی بسر ہوتی تھی۔ اور انکے ذہن میں زندگی کا بس یہی مفہوم تھا۔ کہ وہ حصوں کی قیمت سے متاثر ہوتی رہیں۔ ہم ان کو بے سود سمجھاتے رہے۔ کہ دنیا بھر کی دولت اب انکے لینے کیلئے موجود ہے لیکن ملنے پر بھی اب بیکار ہے، انکے بیرانے دماغ میں کسی طرح یہ نیا خیال نہ سماتا تھا۔ اپنی تلف شدہ سرمایہ پر وہ زور زور سے رونے لگیں۔ کہنے لگیں "وہی میری کل پونجی تھی۔ اگر یہ ڈوب گئی ہے، تو مجھ کو بھی تم ڈوبا ہوا سمجھو"

ان کے اس ماتم میں ہم کو اس امر کا پتہ لگا کہ جب ساری دنیا

جنگل تباہ و برباد ہوگیا تو یہ کمزور، پرانا درخت کیسے قائم رہ گیا۔ بات یہ تھی کہ وہ دائم المریض سی تھیں اور تنفس کا عارضہ تھا۔ اس کیلئے آکسیجن تجویز کیگئی تھی۔ اور جسوقت یہ بلا نازل ہوئی۔ آکسیجن کا ایک پیپہ انکے پاس موجود تھا، وہ سب عادت، جب ضیق النفس پاتیں۔ تو تھوڑا تھوڑا کرکے اس سے سانس لیتیں۔ اس سے ان کو آرام ملتا اور اسی طرح آکسیجن خرچ کرکر کے وہ رات پار کرگئیں بالآخر وہ سوگئیں اور پھر انہیں ہماری موٹر کے شور نے جگایا۔ چونکہ اپنے ساتھ ان کا لیجانا ممکن نہ تھا اور ضروریات کی جملہ چیزیں مہیا تھیں اسلئے ہم نے وعدہ کیا کہ بہت سی بہت دو دن کے اندر ان کی خبر لینگے۔ اس کے بعد ہم انکو اپنے تلف شدہ سرمایہ پر روتا چھوڑ کر چلے آئے۔

جب ہم ٹیمز کے قریب پہنچے تو لاشیں بکثرت ملنے لگیں اور راستے مسدود ہونے لگے۔ بڑی مشکلوں سے ہم لندن پل پار اتر سکے۔ ٹڈ اسکس کیطرف سے اس تک جو راستے آتے تھے وہ اس سرے سے اس سرے تک منجمد انجار (ٹریفک) کی وجہ سے اسقدر مسدود تھے کہ اس طرف کا خیال ہی محال تھا پل کے قریب بندرگاہ پر ایک جہاز جل رہا تھا چنانچہ ہوا میں چنگاریوں کی کثرت تھی اور جلنے کی بو تمام فضا میں پھیلی ہوئی تھی۔ ایوانہائے پارلیمنٹ کے قریب ہی کہیں بہت گہرا دھواں، بادل کیطرح اٹھ رہا تھا۔ لیکن جہاں ہم تھے، وہاں سے یہ پتہ لگانا بہت مشکل تھا کہ یہ آگ کہاں لگی ہے۔

جب لارڈ جان نے موٹر روکی۔ تو کہنے لگے "آپ لوگ معلوم نہیں کیسا

سمجھتے ہیں مجھے تو شہر سے دیہات زیادہ پرلطف معلوم ہوتا ہے۔ مردہ لندن تو میری لئے روح فرسا ہو رہا ہے۔ میری رائے ہے کہ ایک چکر دیہات کا لگائیں اور پھر راتھر فیلڈ چلے چلیں۔

"مجھے بھی اعتراف ہے، میری سمجھ میں نہیں آیا کہ ہم کو یہاں کیا امید ہوسکتی ہے" پروفیسر سمرلی نے کہا۔

"ساتھ ہی اس کے، چے لینجر نے اپنی بلند آواز میں کہا جو اس خاموشی میں عجیب سی معلوم ہوئی۔ "کیا یہ خیال میں آنے کی بات ہے کہ ستر لاکھ آدمیوں میں سے صرف یہی ایک بڑھیا بچی ہو جو اپنی صحت کی خصوصیت کی وجہ سے یا محض بخت اتفاق سے اس آفت عظمیٰ سے بچ نکلی ہو۔"

"اور اگر ہوں بھی تو ہم ان تک کیسے پہنچ سکتے ہیں؟" خاتون نے کہا "اس پر بھی میں تم سے اتفاق کرتی ہوں کہ پتہ لگائے بغیر ہم کو واپس نہ جانا چاہئے"

گاڑی سے اتر کر اور اسکو موٹر پر چھوڑ کر ہم بدقت تمام کنگ ولیم اسٹریٹ کی گنجان پختہ فرش پر چلے ہمیں کے ایک بڑے دفتر کا دروازہ کھلا نظر آیا۔ اس میں ہم داخل ہوئے۔ یہ مکان کونے پر تھا اور ہم نے اسلئے منتخب کیا کہ یہاں سے چاروں طرف نظر جا سکتی تھی۔ زینے پر چڑھ کر میرا خیال ہے کہ ہم کھانے کے کمرے میں سے گزرے۔ کیونکہ اس کے وسط میں آٹھ مشن آدمی ایک میز کے گرد بیٹھے تھے۔ اوپر والی کھڑکی کھلی تھی اور ہم سب کے سب چھجے پر آگئے۔

وہاں سے ہم کو شہر کی گنجان سڑکیں نظر آئیں جو ہر طرف جاتی تھیں

اور ہماری نیچے جو بے حرکت موٹریں کھڑی تھیں انکی سیاہ چھتوں کی وجہ سے ساری سڑک کالی دکھائی دیتی تھی۔ سب نہیں تو قریب قریب سب کا رُخ باہر کی جانب تھا جس سے معلوم ہوتا تھا کہ شہر کے خوفزدہ لوگ آخری وقت میں اس بے سود کوشش میں تھے کہ کسی طرح مضافات یا دیہات میں اپنے اپنے خاندانوں سے جا ملیں۔ کہیں کہیں ان کم درجہ گاڑیوں میں کسی رئیس کی بڑی بیتل چڑھی موٹر بھی نظر آجاتی تھی۔ جو اس مسدود انجار (ٹریفک) کے دھارے میں پھنسکر رہ گئی تھی۔ بالکل ہماری نیچے ہی اسی طرح کی ایک بڑی اور نہایت خوبصورت موٹر تھی جس کا مالک ایک فربہ اور مسن شخص تھا جس کا چھوٹا اور موٹا ہاتھ، ہیروں سے چمکتا باہر نکلا ہوا تھا۔ اپنے موٹربان پر یہ زور دے رہا تھا۔ کہ کسیطرح اس ریلے میں سے گاڑی نکال لیچلو،

کوئی درجن بھر موٹر بگھیاں اس سمندر میں جزیروں کیطرح نمایاں تھیں اور چھت پر جو مسافر تھے وہ اسطرح ایکدوسرے کی گودوں میں پڑے پڑے ہوئے تھے کہ گویا بچوں کی گڑیاں ہیں۔ ایک چوڑے لمپ کے ستون کے سہارے ایک ہٹا کٹا پولس کا جوان کچھ اس انداز سے کھڑا تھا کہ یہ کہنا مشکل تھا کہ وہ زندہ ہی یا مردہ۔ اس کے پائیں ہی پھٹے کپڑے پہنے ایک اخبار بچہ پڑا تھا جسکا اخباروں کا پشتارہ اسکے پاس زمین پر گرا ہوا تھا۔ ایک اخبار گاڑی اس مجمع میں پھنس گئی تھی اور ہم کو زرد زمین پر سیاہ بڑے بڑے حرفوں میں یہ نظر آیا۔ "ایوانِ خاص میں مناقشہ" "میچ میں ہرج" یہ سب سے پہلی ہی اشاعت میں ہوگا۔ کیونکہ اس قصّے کو بتلانیوالے دوسری

اشتہار بھی تھی جن کی سرخیاں تھیں "کیا قیامت آپہنچی؟ بڑے بڑے سائنسدانوں کا انتباہ" "کیا چے لینجر حق بجانب ہیں؟ وحشتناک افواہیں"

چے لینجر نے یہ پچھلا تختہ اپنی اہلیہ کو دکھلایا۔ کیونکہ وہ اس اژدہام میں جھنڈے کیطرح نظر آتا تھا۔ جب انہوں نے اسپر نظر ڈالی تو میں نے دیکھا کہ انکا سینہ ابھر آیا۔ اور وہ اپنی ڈاڑھی پر ہاتھ پھیرنے لگے۔ اس پیچیدہ نفس کیلئے یہ امر باعثِ مسرت و فخر تھا کہ لندن والوں نے اسکا نام لیتے ہوئے اور اس کے الفاظ ذہن میں رکھتے ہوئے جان دی۔ انکے یہ جذبات اسقدر نمایاں تھے کہ ان کے دوسرے ساتھی بالآخر بول ہی اٹھے۔

"آخر وقت تک مرجع عالم رہے"

"ہاں معلوم تو ایسا ہی ہوتا ہے" چے لینجر نے ذرا نرمی سی کہا۔ جب چاروں طرف جانیوالی خاموش اور لاشوں سی بھری سڑک پر انکی نظر پڑی تو کہنے لگے "لندن میں ہمارا زیادہ قیام مجھے ہرگز مفید مطلب نہیں معلوم ہوتا۔ میری تجویز ہے کہ ہم فوراً راتھر فیلڈ واپس چلیں اور پھر وہاں مشورہ کریں کہ ہم اپنی آیندہ کے عرصۂ زندگی کو کیونکر گزاریں"

اس مردہ شہر سے جو یادگاریں ہم اپنے حافظے میں محفوظ لے گئے ان میں سے صرف ایک اور تصویر پیش کرونگا یہ سینٹ جیمز کے قدیم گرجا کے اندرون کی ایک جھلک ہے۔ جہاں ہماری موٹر کھڑی تھی۔ یہ گرجا اہ) کے پاس تھا۔ زمین پر پڑی ہوئی لاشوں سے بچتے بچاتے ہم کھلے دروازے تک پہنچے اور اسکو کھول کر اندر داخل ہوگئے۔ یہ عجیب و غریب نظارہ دکھائی دیا کہ گرجا

کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ ہر شخص یا تو رکوع میں تھا یا سجود میں تھا غرضکہ ہر انداز میں مصروف بدعا تھا۔ آخری ہولناک وقت پر جب لوگوں کو حقیقت کا یکایک انکشاف ہوا وہ زبردست حقیقتیں جو خود ہماری سروں پر سوار ہیں اگرچہ ہم صرف ڈھانچوں کی خبر لے رہے تو لوگ خوفزدہ ہو کر شہر کے ان قدیم گرجاؤں میں بھاگ رہے تھے۔ جن میں مدتوں سے شاید ہی کوئی جماعت قائم ہوئی ہو۔ وہاں انکی یہ کیفیت تھی کہ جتنی جگہ ملی اسی میں سب جمع ہو گئے۔ بعض تو گھبراہٹ میں ٹوپی اتارنا تک بھول گئے۔ منبر پر ایک نوجوان شخص کھڑا اچھی تقریر کر رہا تھا کہ اس بلاءناگہانی نے سب کو ایک ہی لاٹھی سے ہانک دیا۔ وہ بیچارہ منبر پر اسطرح پڑا ہوا تھا کہ اس کا سر اور دونوں لمبے ہاتھ منبر سے باہر نکلے ہوئے تھے۔ وہ خاک آلود گرجا، ہراساں شکلوں کی وہ قطاریں، وہ خاموشی اور تاریکی سب نے ملکر کابوس کی سی کیفیت پیدا کر رکھی تھی۔ ہم کانوں کان باتیں کرتے پنجوں کے بل چل رہے تھے۔

اور پھر یکایک مجھے ایک خیال پیدا ہوا۔ گرجا کے ایک کونے میں دروازے کے قریب حوضِ اصطباغ تھا اور اس کے پیچھے ایک عمیق گوشہ تھا۔ جس میں گھنٹی بجانے والوں کیلئے رسیاں لٹک رہی تھیں۔ ہم پھر کیوں نہ سارے لندن میں ایک پیغام بھیجیں کہ اگر کوئی زندہ ہو تو ہمارے پاس چلا آئے۔ میں دوڑ کر گیا اور اس کنی پوش رسی کو کھینچا۔ تو مجھے تعجب ہوا کہ اسکا بجانا کسقدر مشکل تھا۔ لارڈ جان میری مدد کو آئے کہنے لگے

"قسم خدا کی! میاں صاحبزادی، تمہارا خیال بہت ہی عمدہ ہے۔ ذرا مجھے پکڑنے دو، تو پھر ہم اسے ہلا لینگے"

لیکن اسپر بھی وہ گھنٹہ اتنا بھاری تھا کہ جب تک چے لنجر اور سمرلی نے آکر اپنی قوتوں سے مدد نہ کی اسوقت تک ہم کو اسکی بجنے کی آواز نہ سنائی دی دور دور تک سارے مردہ لندن میں ہمارا یہ پیغام ہمدردی پہنچا۔ اور جو بیچارہ بچ رہا ہوگا۔ اس کیلئے تو پیام حیات ہوگا۔ ہماری دلوں میں خود اس زبردست ناقوسی آواز سے مسرت پیدا ہوئی اور پھر ہم نہایت جوش سے اپنے کام کی طرف متوجہ ہوئے اگرچہ رسی کے اوپر کیطرف ہر جھٹکے پر ہم دو فٹ اٹھ جاتے تھے تاہم سب کے سب اس کو نیچے کھینچنے میں مصروف رہے۔ چے لنجر جو سب سے نیچے تھے وہ اپنی پوری طاقت اسمیں صرف کر رہے تھے اور انکا نیچے اوپر ہونا ایسا معلوم ہوتا تھا۔ کہ گویا کوئی زبردست غوک ہے جو ہر پل پر تڑپ رہا ہے اسوقت اگر کوئی نقاش ہوتا۔ تو وہ ہم چاروں قسمت آزماؤں کی تصویر اتارتا جو زمانۂ ماضی میں بھی متعدد عجیب و غریب خطرات میں ایک ساتھ رہے تھے اور جنکو قضا و قدر نے اس عظیم الشان تجربے کیلئے ایک جگہ جمع کر دیا تھا۔ آدھ گھنٹے تک ہم زور لگاتے رہے پسینہ ہمارے چہروں سے ٹپکنے لگا۔ ہمارے ہاتھ اور پیٹھ شدت محنت سے درد کرنے لگی پھر ہم گرجا کی برساتی میں گئے اور بہت ہی شوق سے خاموش اور گنجان سڑکوں کو دیکھنے لگے۔ لیکن کہیں سے نہ کوئی آواز اور نہ کوئی حرکت ہماری پکار کے جواب میں محسوس ہوئی۔

"کیا فائدہ! کوئی نہیں بچا"۔ میں نے کہا

"ہم اس سے زیادہ کیا کر سکتے ہیں" مسز چیلنجر نے کہا "خدا کیواسطے، جارج! اب راتھر فیلڈ واپس چلو۔ اس ہولناک اور خاموش شہر میں ایک گھنٹہ اور گزرا تو ہم سب پاگل ہو جائینگے"۔

اس کے بعد ایک لفظ کہے بغیر ہم موٹر میں سوار ہو گئے۔ لارڈ جان نے اسکو گھمایا اور جنوب کی طرف رخ کیا۔ ہم یہ سمجھتے تھے کہ قصہ یہیں ختم ہو گیا۔ ہمیں کیا خبر تھی، کہ ایک نیا باب اور کھلنے والا ہے۔

چھٹا باب

نشاۃ ثانیہ

اب میں اس غیر معمولی واقعہ کے انجام پر آتا ہوں جسکی اہمیت نہ صرف ہماری چند انفرادی زندگیوں تک ہی بلکہ کل نسلِ انسانی کی عام تاریخ میں زبردست ہے۔ داستان شروع کرتے وقت میں نے کہا تھا کہ جب تاریخ لکھی جائیگی تو یہ واقعہ دیگر جملہ واقعات میں وہی حیثیت رکھیگا جو پہاڑ کی چوٹی کو دامن سے ہوتی ہے۔ ہماری نسل کی قسمت میں ایک مخصوص انجام مقدر تھا کیونکہ اسی نے یہ عجیب و غریب تجربہ اٹھایا۔ اسکا اثر کبتک رہے یا بنی نوع انسان میں انکسار اور ادب و احترام جسکا سبق ہمیں اس زبردست صدمہ سے ملا ہے۔ کب تک رہیگا۔ صرف مستقبل ہی بتلا سکتا ہے۔ میرے خیال میں اتنا تو میں ضرور بےخوف ہو کر کہہ سکتا ہوں کہ پہلی سی حالت تو اب کبھی نہ ہو گی۔ اب کسی کو اسکا اندازہ مشکل سے ہو گا، کہ

اسکی بے بسی اور جہالت کہاں تک ہی اور نہ اسکا اندازہ ہوگا کہ کسطرح ایک ان دیکھا ہاتھ سب کو پکڑے ہوئے تھا اور کسطرح ایک لمحہ کیلئے اس مٹھی نے بند ہو کر ہم کو بیس ٹیلا۔ موت ہم پر برابر سوار رہی ہی ہم جانتے ہیں کہ وہ ہم پر اتر سکتی ہی۔ وہ مہیب شکل ہماری زندگیوں پر سایہ کئے ہوئے ہی لیکن اس سے کس کو انکار ہو سکتا ہی کہ اس سایہ میں فرض کا احساس، ذمہ داری اور متانت کا خیال، زندگی کے مقاصد اور وقار کا اندازہ، نشو ونما اور ترقی کی زبردست تمنا ہم میں پیدا ہو گئی ہے اور اس حد تک پہنچ گئی ہی، کہ ہماری سوسائٹی ایک درجہ بلند ہو گئی ہے۔ یہ بات فرقوں اور عقیدوں سے ماورا ہی۔ بلکہ یہ درحقیقت نقطۂ نظر کا بدلنا ہی۔ ہماری حس تناسب کی تبدیلی ہی، اس امر کا پورا پورا اندازہ ہی کہ ہم ناچیز ہیں اور فانی مخلوق ہیں۔ جن کی زندگی تمامتر عالم غیب کی پہلی سرد ہوا کے رحم وکرم پر موقوف ہی لیکن اگر دنیا اپنی اس علم سے متین تر ہو گئی ہی، تو تو اسکے یہ معنی نہیں کہ وہ اسوجہ سے غمگین تر بھی ہو گئی ہی بلاشک ہم سب کا اس امر پر اتفاق ہے کہ حال کی متین اور سنجیدہ خوشیاں اس پر شور وغل اور بیہودہ ہنگامہ سے بہتر اور سنجیدہ تر ہیں۔ جن کو قدیم ایام میں تفریح سے موسوم کرتے تھے۔ وہ ایام جو ابھی ابھی گزری اور اسپر بھی ابھی سے دور از فکر ہونے لگی، وہ بے مقصد زندگیاں جو بیکار ملنے ملانے میں، بڑے اور بضرورت مکانوں کی چپقلش میں اور بہت ہی پر تکلف اور پر تکلیف کھانوں کی ترتیب دینے اور کھانے میں مصروف رہا کرتی تھیں، اب انکو اس مطالعہ اس موسیقی، اس خاندانی تعلق سے سکون اور توانائی حاصل ہوئی ہی جو اسوقت کی سادہ تر اور صحیح تر تقسیم

سے پیدا ہوتے ہیں، صحت بہتر ہونے اور لذت زیادہ پانے کی وجہ سے وہ اب پہلے سے زیادہ دولتمند ہیں حتیٰ کہ اس مشترکہ فنڈ میں، جسنے ان جزائر میں معیار حیات اتنا بلند کر رکھا تھا۔ اپنے حصے سے زائد حصے لینے کے بعد بھی وہ زیادہ دولتمند ہیں۔

اس نشاۃ یا بیداری کی صحیح ساعت کے متعلق اختلاف رائے ہے تسلیم کر لیا گیا ہے کہ گھڑیوں کے فرق سے قطع نظر کرکے، ممکن ہے کہ زہر کے عمل پر مقامی اسباب نے اثر پیدا کیا ہو۔ اس میں شک نہیں کہ ہر ہر ضلع میں رجعت بیک وقت ہوتی معلوم ہوتی تھی۔ اس امر کے بہت سے شاہد ہیں کہ اس وقت بگ بن[1] میں چھ بجنے میں دس منٹ کم تھے۔ شاہی منجم نے گرین واچ کا وقت ساڑھے بارہ، قرار دیا ہے۔ برخلاف اسکے لیرڈ جان سن جو ایسٹ اینگ لیا کے نہایت ہوشیار راصد ہیں انہوں نے وقت چھ بیس قرار دیا ہے۔ جزائر ہبرائڈس میں نو سات تک بج گئے تھے۔ ہمارے لئے اس امر میں شبہ کی کوئی گنجائش نہیں کیونکہ میں چے لنجر کے مطالعہ خانہ میں بیٹھا تھا اور ان کا آزمودہ وقت پیما میرے سامنے اسوقت رکھا تھا، اس میں سوا چھ بجے تھے۔

میری طبیعت پر زبردست پژمردگی طاری تھی۔ جو جو ہیبتناک نظارے نظر سے گزرے تھے، ان سب نے میری طبیعت پر ایک بوجھ سا پیدا کر رکھا تھا میری صحت چونکہ بہت عمدہ تھی اور جسمانی طاقت بھی بہت تھی۔ اسلئے میری لئے دماغی تکدر ایک اعجوبہ تھا مجھ میں یہ آئرستانی خاصیت تھی کہ مجھے ہر تاریکی میں

[1] لندن کا ایک گھنٹہ گھر

روشنی کی جھلک نظر آتی تھی۔ لیکن اسوقت کی تاریکی بہت مہیب اور مسلسل تھی۔ اور سب تو نیچے بیٹھے مستقبل کے منصوبے باندھ رہے تھے۔ لیکن میں کھلی کھڑکی کے پاس بیٹھا تھا۔ میری ٹھوڑی میرے ہاتھ پر تھی۔ اور میں حالتِ موجودہ کی تباہی پر غور کر رہا تھا۔ کیا ہم زندہ بھی رہینگے؟ یہ سوال میرے دل میں پیدا ہونے لگا تھا۔ کیا ایک مردہ دنیا میں زندہ رہنا ممکن ہے جسطرح طبعیات میں ایک بڑا جسم اپنے سے چھوٹے جسم کو اپنی طرف کھینچتا ہے اسیطرح کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ بنی نوع انسان کی جو کثیر التعداد پردۂ غیب میں چلی گئی ہے وہ ہم کو اپنی طرف کھینچ لے؟ اچھا تو پھر انجام کسطرح پر ہوگا کیا سمیّت کے دوبارہ پھیل جانے سے! یا یہ صورت ہوگی کہ اس عالمگیر فساد کی وجہ سے زمین رہنے کے قابل نہ رہیگی؟ یا یوں صورت ہوگی کہ ہماری یہ ہولناک حالت ہم پر چھا جائیگی اور ہمارے ذہنوں کو متزلزل کردیگی؟ پھر گویا ایک مردہ دنیا پر پاگلوں کی بستی ہو جائیگی!

میں اس ہولناک خیال پر غور ہی کر رہا تھا کہ ذرا سا شور ہوا جس سے میں نے نیچے سڑک پر نگاہ ڈالی۔ وہ پرانی گھوڑا گاڑی اب پہاڑی پر آ رہی تھی۔

اسی وقت مجھے چڑیوں کے چہچہانے کا اور نیچے صحن میں کسی کے کھانسنے کا احساس ہوا اور پھر ساری منظر زار میں حرکت سی نمودار ہونے لگی اسپر بھی مجھے یاد ہے کہ میری نظر اس شکستہ حال اور نحیف و زار گاڑی والے گھوڑے پر جمی ہوئی تھی وہ آہستہ آہستہ بدقت ڈھال پر چڑھ رہا تھا

پھر میں نے کوچوان کو دیکھا جو کوچ بکس پر ٹانگیں سمیٹے بیٹھا تھا اور بالآخر
اس نوجوان کو دیکھا جو گاڑی ہی سے سر باہر نکالے کوچوان کو کچھ ہدایت دے رہا
تھا۔ وہ سب بلا شک و شبہ اور نہایت محسوس طریقہ پر زندہ معلوم ہوتے تھے
ایک مرتبہ پھر ہر شخص زندہ ہو گیا تو کیا جو کچھ گزرا وہ سب دھوکا ہی
تھا۔ کیا یہ ممکن ہے کہ یہ حلقۂ مسموم والا قصہ محض خواب و خیال ہی ہو؟ لمحہ بھر
کیلئے تو میرے ششدر دماغ نے اسکو قبول ہی کر لیا۔ پھر میں نے نیچے کی
طرف دیکھا تو میرے ہاتھ پر جہاں شہر والے گھنٹے کی رسی نے نشان ڈالے
تھے۔ وہاں آبلے ابھر رہے تھے، پس معلوم ہوا کہ یہ ایک حقیقت تھی، اسطرح
یہ کہ دنیا اب دوبارہ زندہ ہو گئی، گویا اس سیارے پر زندگی پھر ایک لمحے کے
اندر سب جگہ پھیل گئی۔ چنانچہ میں نے ہر چہار طرف نظر دوڑائی تو ہر سمت
میں مجھے یہ کیفیت نظر آئی کہ دنیا پھر اسی جگہ سے شروع ہو رہی ہے جہاں
کہ ختم ہوئی تھی۔ گالف باز وہیں کے وہیں موجود تھے کیا یہ ممکن ہے کہ وہ اپنے
کھیل میں مصروف رہے ہوں؟ ہاں واقعی ایک درخت کے نیچے گیند لیئے جا
رہا تھا اور اس سبزہ زار پر جو ٹولی تھی وہ گرجے کیطرف جا رہی تھی۔ کھیت
کاٹنے والے اپنے اپنے کام پر آ رہے تھے۔ دایہ نے ایک بچہ گود میں لیا اور پھر
گاڑی چلانے لگی۔ ہر شخص نے از خود اسی مقام سے اپنا کام شروع
کر دیا۔ جہاں سے اسے چھوڑا تھا۔

میں دوڑ کر نیچے گیا۔ ہال کا دروازہ کھلا تھا۔ میں نے اپنے ساتھیو
کی آوازیں سنیں۔ صحن میں مبارکباد اور تعجب کی آوازیں اٹھ رہی تھیں

ہم سب نے ہاتھ ملائے اور خوب ہنسی۔ اور مسز چے لنجر نے ماری خوشی کے ہم سب کا بوسہ لیا، اور بالآخر اپنے بالوں والے شوہر سے جا لپٹیں۔ لارڈ جان کہنے لگے۔

" یہ سب کے سب سوتے ہوئے تو نہ ہونگے، چے لنجر صاحب آپ مجھے یہ باور کرانا تو نہیں چاہتے کہ یہ لوگ سو رہے تھے، درانحالیکہ ان کی آنکھیں خوب کھلی ہوئی تھیں۔ ان کے اعضا بےحرکت ہو گئے تھے اور وہ مہیب مردنی انکے چہروں پر چھائی ہوئی تھی"

" تو یہ صرف وہ حالت ہو سکتی ہے جسکو "داء السبات" کہتے ہیں" چے لنجر نے کہا " زمانہ ماضی میں بھی یہ مظہر بہت کم مشاہدہ میں آیا، لوگ اکثر وبیشتر اسکو موت ہی سمجھتے رہے ہیں۔ جب تک یہ کیفیت رہتی ہے حرارتِ غریزی کم ہو جاتی ہے، تنفس بند ہو جاتا ہے، قلب کی حرکت بالکل رک سی جاتی ہے اور فی الواقع یہ موت ہوتی ہے مگر تھوڑی ہی دیر کیلئے، زیرک سے زیرک دماغ بھی" یہاں انہوں نے آنکھیں بند کرلیں اور تبسم کناں ہوئے " اس طریقہ پر اس کے ایسے عالمگیر حملہ کو مشکل سے قیاس کر سکتا تھا"

" آپ اسے چاہیں تو داء السبات کا نام دیدیں" سمرلی نے کہا " لیکن یہ محض نام ہی نام ہے اور اصل حقیقت سے ہم اتنا ہی ناواقف ہیں جتنا اس زہر سے جس نے یہ حالت پیدا کی۔ زیادہ سے زیادہ جو ہم کہہ سکتے ہیں وہ یہ ہے کہ مسموم اثیر نے عارضی موت پیدا کر دی"

آسٹن گاڑی کے پائیدان پر گٹھری بنا پڑا تھا۔ اسکی ہی کھانسی تھی جو

میں نے اور پریسی تھی وہ ابتک سر ڈالے خاموش تھا۔لیکن اب وہ گاڑی کو دیکھ دیکھ کر بڑبڑا رہا تھا۔ کہنے لگا

"واہ بے گھامڑ! چیزوں کو بغیر چھوئے نہیں رہا جاتا"

"کیا بات ہے؟ آسٹن!"

"حضور! تیلدان یوں ہی کھلے چھوڑ دیئے۔کوئی نہ کوئی اس موٹر سے کھیلتا رہا ہے۔میرے خیال میں اس ٹلی کے بچہ نے گڑبڑ کی ہوگی۔"

لارڈ جان اب ذرا گھبرائے سے

"نہ جانے مجھے کیا ہو گیا ہے" آسٹن لڑکھڑا کر اٹھا تو کہنے لگا "مجھے خیال ہے کہ جب صاف کر رہا تھا تو کوئی عجیب بات پیدا ہوئی تھی۔مجھے یاد ہے کہ میں پائیدان کے پاس ہی لڑھک گیا تھا۔لیکن مجھ سے قسم لے لیجئے جو میں نے تیلدانوں کی ٹونٹیاں کھلی رکھی ہوں۔"

مختصر طور سے بیچارے ششدر و حیران آسٹن سے وہ داستان دہرائی گئی کہ وہ خود اور ساری دنیا کیسے مبتلا ہوئی تھی۔کھلے تیلدانوں کا راز بھی اس پر آشکارا کیا۔اس نے بڑے تعجب سے سنا کہ ایک غیر پیشہ ور نے اسکی موٹر چلائی تھی۔اور جب ہم نے سوتے شہر کا قصہ سنایا تو وہ ہمہ تن گوش بنگیا تھا۔ جب داستان ختم ہو چکی تو اسکا یہ کہنا مجھے یاد ہے:-

"کیا آپ بینک آف انگلینڈ کے باہر تھے؟"

"ہاں، آسٹن!"

"لاکھوں روپیہ اندر موجود اور سب سوتے ہوئے؟"

"ہاں ایسا ہی پایا"

"کاش میں وہاں ہوتا" اس نے نہایت یاس آمیز لہجہ میں کہا اور پھر اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔

سڑک پر پہیوں کی گڑگڑاہٹ دفعتہً سنائی دی، وہ شکستہ حال گاڑی واقعی چے لنجہ کے دروازے پر آ ٹھہری، میں نے نوجوان مسافر کو اترتے دیکھا۔ تھوڑی دیر بعد ماما جس کے چہرے پر کچھ ایسی پریشانی اور حیرانی تھی کہ گویا کسی نے اسکو ابھی ابھی گہری نیند سے اٹھایا ہے۔ کشتی میں ایک کارڈ رکھے نمودار ہوئی۔ چے لنجر نے جب اسے دیکھا تو بہت چیں بجبیں ہوئے اور اتنا انہیں غصہ آیا، کہ انکے موٹے اور کالے کالے بال کھڑے ہو گئے۔ زور سے بولے:۔

"نامہ نگار" پھر کچھ سوچ کے مسکرائے "ہاں! واقعی یہ قدرتی بات ہے کہ ساری دنیا کو اس کے دریافت کرنیکی عجلت ہو، کہ اس سانحہ کے متعلق میرا کیا خیال ہے"

"اسکا یہ کام تو ہو ہی نہیں سکتا" سمرلی نے کہا "وہ تو بلا کے نازل ہونے سے نہ جانے کتنا پہلے موجود تھا"

میں نے کارڈ دیکھا "جیمز بیکس ٹر، لندنی نامہ نگار نیویارک مانیٹر"

"آپ ان سے ملئے" میں نے کہا

"میں تو نہیں ملتا"

"ارے جارج! کبھی تو دوسروں کے ساتھ مہربانی اور عنایت سے پیش آیا کرو، جو بیتا ہم پر گزری اس سے کچھ تو سبق تم نے لیا ہوگا"

انہوں نے بہت کراہت ظاہر کی، اور اپنا بڑا اور ضدی سر ہلاتے رہے۔

"یہ بڑی زہریلی نسل ہے! ہاں، مے لون، موجودہ تمدن کی بدترین پیداوار ہے۔ عامیوں کے ہاتھ میں موم ہے، اور خود دار لوگوں کیلئے رکاوٹ! ان لوگوں نے میری بابت کبھی کوئی اچھا لفظ استعمال کیا ہے؟"

آپ نے انکی نسبت کب کوئی اچھا لفظ استعمال کیا؟" میں نے جواب دیا "آئیے، آئیے جناب! یہ ایک اجنبی ہیں جو آپ سے ملنے کیلئے اتنا سفر کرکے آئے ہیں مجھے یقین ہے کہ آپ انکے ساتھ کج خلقی نہ برتیں گے"

"اچھا! اچھا" انہوں نے کہا "آپ بھی میرے ساتھ آئیے، اور گفتگو آپ ہی کیجئے۔ میں ابھی سے اپنی خلوت میں اس مداخلت بیجا کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرتا ہوں" کچھ بڑبڑاتے، غراتے وہ میرے پیچھے پیچھے ایک غضبناک تازی کیطرح لڑھکتے آئے۔

ان چست اور نوجوان امریکن نے اپنی بیاض نکالی اور فوراً اپنے مطلب پہ یوں آئے۔

"میں جناب! اسلئے حاضر ہوا ہوں، کہ اہالیان امریکہ اس خطرے کی بابت کچھ نہ کچھ سننے کے بہت مشتاق ہیں جو آپ کی رائے میں دنیا پر طاری ہوا چاہتا ہے"

"میں ایسا کوئی خطرہ نہیں جانتا جو دنیا پر طاری ہوا چاہتا ہو" چیلنجر نے ذرا خشونت سے جواب دیا۔

نامہ نگار نے اب ذرا حیران ہو کر ان پر نگاہ ڈالی۔

"جناب! میرا مطلب یہ ہے کہ دنیا کے ایتھر کے مسموم حلقہ میں داخل ہونے کے کیا کیا امکانات ہیں۔

"مجھے اب کسی ایسے خطرے کا امکان نہیں معلوم ہوتا" چے لنجر نے کہا اب تو نامہ نگار اور بھی حیران ہوا، چنانچہ اس نے پوچھا

"آپ ہی تو پروفیسر چے لنجر صاحب ہیں! کیوں جناب؟"

"جی ہاں! یہ میرا ہی نام ہے"

"تو پھر میری سمجھ میں نہیں آتا، کہ آپ کیسے کہتے ہیں۔ کہ اب کوئی خطرہ نہیں رہا۔ میں آپ کے اس خط کی طرف اشارہ کر رہا ہوں۔ جو آج صبح ٹائمز میں آپ کے دستخط سے شائع ہوا ہے"

اب چے لنجر کی باری حیران ہونے کی تھی۔ کہنے لگے:۔

"آج صبح؟ آج صبح لندن ٹائمز کا کوئی پرچہ شائع نہیں ہوا"

"نہیں جناب!" امریکن نے بطور احتجاج کہا "آپ اس کو تسلیم کرینگے کہ لندن ٹائمز ایک روزانہ پرچہ ہے" اب انہوں نے اپنی اندر کی جیب سے ایک پرچہ نکالا "یہ لیجئے یہ آپ کا خط ہے جسکی طرف میں اشارہ کر رہا تھا"

چے لنجر کچھ رک رک کے ہنسے اور ہاتھ ملنے لگے۔ اور یوں گویا ہوئے

"اب میں سمجھا۔ ہاں تو یہ خط آپ نے آج صبح پڑھا"

"جی ہاں"

"اور فوراً مجھ سے ملنے تشریف لائے"

"جی ہاں"

"تو کیا آپ نے اپنے سفر میں کوئی غیر معمولی بات مشاہدہ کی؟"

"سچ پوچھیے تو آپ کے لوگ مجھے ہمیشہ سے زیادہ مہربان اور زندہ دل نظر آئے قلی نے ایک عجیب و غریب قصہ سنانا شروع کیا اور یہ مجھے اپنی قسم کا پہلا تجربہ اس ملک میں ہوا"

"اس کے علاوہ کچھ اور؟"

"مجھے اور تو کوئی بات یاد آتی نہیں جناب"

"اچھا تو آپ وکٹوریا سے کس وقت چلے تھے؟"

امریکن اب مسکرایا۔

"جناب پروفیسر صاحب! میں یہاں آپ سے نیاز حاصل کرنے حاضر ہوا تھا۔ لیکن اب تو وہی حالت ہے کہ ماہی گیر مچھلی پکڑ رہا ہے، یا مچھلی ماہی گیر کو پکڑے ہوئے ہے؟، میں دیکھتا ہوں کہ بیشتر گفتگو تو آپ ہی کر رہے ہیں"

"آپ مجھے دلچسپ معلوم ہوتے ہیں۔ اچھا بتائیے آپ کو وقت یاد ہے؟"

"یقیناً ساڑھے بارہ بجے تھے"

"اور آپ پہنچے کب؟"

"کوئی سوا دو بجے"

"آپ نے گاڑی کرایہ کی؟"

"جی ہاں"

"اسٹیشن سے یہاں تک آپ کتنا فاصلہ سمجھتے ہیں؟"

"میری دانست میں تو دو میل سے کچھ ہی کم ہو گا"

"تو آپ کو آنے میں کتنی دیر لگی؟"

"اس دمے والے کوچوان نے کوئی آدھ گھنٹہ لیا ہو گا"

"تو اب تین بجنے چاہیئے؟"

"ہاں کچھ اوپر تین"

"ذرا گھڑی تو دیکھئے"

امبرکن نے گھڑی دیکھی تو محوِ حیرت ہو کے ہمیں دیکھنے لگے۔

"ارے - یہ تو کچھ بگڑ گئی - اُس گھوڑی نے تو سب کو مات کر دیا - اب میں خیال کرتا ہوں تو سورج کو بہت نیچا پاتا ہوں - ایں! یہ تو کچھ ایسی بات ہے جو میری سمجھ میں نہیں آتی"

"پہاڑی پر آتے وقت آپ کو کوئی عجیب و غریب بات یاد نہیں آتی؟"

"اب آپ کہتے ہیں تو مجھے یاد آیا کہ ایکدفعہ مجھ پر نیند کا بہت غلبہ تھا ہاں اب یاد آیا کہ میں کوچوان سے کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن اپنی اس بات کو نہ سنا سکا میرا خیال ہے کہ گرمی اسکا سبب تھی - لیکن ہاں تھوڑی دیر کیلئے مجھ پر غشی طاری ہو گئی تھی - اور بس"

"اور یہی ساری نسلِ انسانی کے ساتھ ہوا" چیلنجر نے مجھ سے کہا "ساری نسل نے ایک لمحہ کیلئے غشی محسوس کی - لیکن اب کسی کو احساس نہیں کہ ہوا کیا تھا ہر ایک اپنے منقطع کام میں ویسے ہی مشغول ہو جائیگا، جیسے آسٹن موٹر کی صفائی میں لگ گیا - یا گالف باز کھیل میں مصروف ہو گئے - مے لون!

تمہاری ایڈیٹر پرچہ اسیطرح نکالتی رہینگی لیکن ایک نمبر غائب ہونے پر انہیں تعجب ضرور ہوگا۔ ہاں! مہربانِ من!" اب امریکن سے خطاب کرکے کہا "آپ کو یہ سنکر شاید دلچسپی ہو کہ دُنیا اس مسموم لہر سے صحیح وسالم نکل آئی جو خلیجی دھاری کیطرح اثیر کے سمندر میں چکر لگاتی ہے، اپنی آئندہ سہولت کیلئے یہ بھی براہِ کرم اپنی بیاض میں درج کر لیجئے کہ آج کا دن جمعہ ستائیس اگست نہیں ہے بلکہ ہفتہ اٹھائیس اگست ہے، نیز یہ کہ رادھر فیلیڈ پہاڑی پر آتے وقت اٹھائیس گھنٹے تک آپ بیہوش پڑے رہے"

اور بس یہیں، جیسا کہ میرے امریکن ہم پیشوں کا قاعدہ ہے، میں بھی اس داستان کو ختم کرتا ہوں، یہ اس بیان کی تفصیل اور تکمیل ہے جو ڈیلی گزٹ میں دوشنبہ کے روز شائع ہوا تھا، یہ بیان اب سب تسلیم کرتے ہیں کہ اپنے وقت کا سب سے بڑا صحافی کارنامہ ہے چنانچہ اس بیان کی وجہ سے کوئی پینتیس لاکھ سے کم تو پرچے نہ فروخت ہوئے ہونگے۔

میرے خلوتخانہ میں اب تک چوکھٹے میں جڑھی وہ زبردست سرخیاں موجود ہیں :-

"اٹھائیس گھنٹے تک دنیا سکتہ میں۔ عدیم المثال تجربہ۔ چیلنجر خوش بجانب۔ ہمارا نامہ نگار بچ جاتا ہے۔ نہایت دلچسپ داستان۔ آکسیجن کا کمرہ۔ موٹر کی سواری۔ مردہ لندن۔ گمشدہ صفحہ کی تلافی۔ زبردست آتشزدگی اور نقصانِ جان۔ کیا ایسا پھر ہو گا؟"

ان سرخیوں کے نیچے کوئی ساڑھے نو کالموں میں پوری داستان تھی جس میں اس سیارے کی تاریخ کا پہلا، آخری اور اکیلا بیان تھا جہانتک کہ کوئی لکھنے والا اسکی زندگی کا ایکدن بھر میں سپردِ قلم کر سکتا تھا۔ چیلنجر اور سمرلی دونوں نے اسباب میں ایک علمی مقالہ شائع کیا لیکن عام فہم زبان میں شائع کرنا میرے ہی حصے میں آیا۔ اب اسکے بعد کسی صحافی کی زندگی میں اور کیا چاہئے، لیکن مجھ کو محض سنسنی خیز سرخیوں اور ذاتی کامیابیوں پر ہی اس قصہ کو ختم نہ کرنا چاہئے۔ ہاں

اسکی بجائے میں سب سے بڑے روزانہ اخبار کا ایک اقتباس درج کرونگا جو اسکی اس مضمون سے متعلق زبردست افتتاحیہ سے لیا گیا ہے۔ یہ افتتاحیہ ایسا ہے کہ ہر صاحب فکر شخص کے زیر مطالعہ رہنا چاہئیے۔ ٹائمز نے یوں گوہر افشانی کی تھی :-

"یہ ایک بار بار آزمودہ کار مقولہ ہے کہ ہماری نسلِ انسانی ہمارے گرد و پیش کی بے انتہا مخفی قوتوں کے مقابلے میں بہت ہی کمزور ہے قدیم زمانے کے پیغمبر اور موجودہ زمانے کے فلسفی سب کے سب یہی پیام اور تنبیہ ہم تک پہنچاتے رہے ہیں لیکن اکثر پامال صداقتوں کی طرح اس حقیقت کی بھی اصلیت اور مضبوطی دلوں سے محو ہو چلی تھی۔ اس سبق کو یاد دلانے کیلئے ایک عملی تجربہ کی ضرورت تھی۔ اس سبق آموز اور زبردست آزمائش سے ہم ابھی ابھی نکلے ہیں۔ ہمارے دماغ بھی ابھی تک اسکی ناگہانیت سے مبہوت ہیں اور اپنی بے بسی و بیچارگی کے احساس سے ہمارے حواس کسقدر درست ہو گئے ہیں۔ دنیا نے اس سبق کیلئے بڑی خوفناک قیمت ادا کی ہے۔ ابھی تک اس مصیبت کی پوری داستان سننے میں نہیں آئی لیکن نیو یارک آرلی آنس، اور برائی ٹن کا نذر آتش ہو جانا بجائے خود ہماری نسل کی تاریخ میں سب سے بڑا سانحہ ہوشربا ہے جب ریلوں اور جہازوں کے حادثات کی روئداد مکمل ہو گی اسوقت پورا پتہ چلیگا۔ اگرچہ اس امر کی شہادت موجود ہے کہ اکثر صورتوں میں ریلوں کے چلانیوالے اور جہازوں کے انجینئروں نے زہر سے متاثر ہونے سے پہلے اپنے انجنوں کی حرکت بند کر دی تھی۔ اگرچہ مادی نقصان جان و مال دونوں کا بہت ہوا ہے تاہم آج ہمارے دماغوں میں اتنا اہم نہیں ہے یہ سب کچھ زمانہ بھلا دیگا لیکن جو چیز کبھی نہ بھولیگی اور جو ہمیشہ ہمارے تخیل کو متاثر کرتی رہیگی وہ یہ انکشاف ہے کہ کائنات میں کیا کیا ممکن ہے؟ وہ ہمارے جاہلانہ غرور و تکبر کی بربادی ہے اور اس امر کا اظہار ہے کہ ہماری مادی زندگی کا راستہ کسقدر تنگ ہے، اور اسکے ہر دو جانب نہ جانے کیسے کیسے عمیق غار موجود ہیں آج ہمارے تمام جذبات و احساسات کی بنیاد متانت اور انکسار ہے۔ خدا کرے یہ بنیادیں ایسی ہوں کہ ایک زیادہ پر جوش اور زیادہ با ادب قوم آئے اور ان پر ایک بہتر عبادتگاہ قائم کرے" آمین

تمت بالخیر

اعلان

قابل دید کتابیں

حرکت ۔ ڈنکن اینڈ اسٹارلنگ کی کتاب ٹکسٹ بک آف فزکس کا اردو

ترجمہ از مولوی محمد نصیر احمد صاحب معلّم جامعہ عثمانیہ (داخل نصاب بی اے، جامعہ عثمانیہ)

حلقہ مسموم ۔ ایک انگریزی دلچسپ علمی قصّے کا سلیس اور بامحاورہ اردو

ترجمہ از مولوی محمد نصیر احمد صاحب ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ قیمت عہ

وادیِ خوف ۔ سر آرتھر کانن ڈائل کی کتاب "ویلی آف فی آر" کا

سلیس ترجمہ اس میں شرلک ہومز کا ایک حیرت انگیز کارنامہ بیان کیا گیا ہے

از مولوی محمد نصیر احمد صاحب ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ (زیر طبع)

ملنے کا پتہ

سید جمال احمد ترمذی بر مکان پروفیسر محمد نصیر احمد صاحب عثمانی "توپ کا سانچہ"

حیدرآباد دکن